حضرت ابو ذر غفاریؓ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم
کے
ایک خاص رازدار، عاشق زار اور معاشی مساوات کے علمبردار
صحابی کے مشتاقانہ سوانح اور پرکیف حالات

از

مولانا سید مناظر احسن گیلانی
صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

تعداد طبع ـــــــ ایک ہزار

ستمبر ۱۹۲۵ء

سید عبدالرزاق
پروپرائٹر

ادارہ اشاعت اردو

مطبوعہ
رزاقی مشین پریس حیدرآباد دکن

اما بعد۔ واقعات و سوانح جو کچھ بھی اس عنوان کے تحت
میں درج کئے جائیں گے ان کا زیادہ تر حصہ اصابہ، اسد الغابہ،
استیعاب اور ابن سعد وغیرہ سے ماخوذ و مستنبط ہوگا۔ کہیں کہیں
بعض باتیں صحاح اور دیگر کتب حدیثیہ سے بھی لی گئی ہیں۔
مجھے چونکہ اس مضمون میں علاوہ تاریخی بیانات کے
اخلاقی نتائج کا درس دینا بھی منظور ہے۔ اس لئے بعض بعض
مقاموں میں چند ایسی باتوں کا اضافہ کروں گا ممکن ہے کہ
عام دماغوں کو کتب مروجہ میں نہ ملیں کیونکہ اس میں نہایت
دقیق اور نفاستِ قیاس اور اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ اسی لئے
ابنائے عصر و اقران کرام سے مجھے امید ہے کہ قبل
کسی تجسس و امعان کے رد و الزام اعتراض کی طرف عجلت فرمائیں گے

ع کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند

تاہم میں نے اپنے خاص تلخیص کو رکھتے ہوئے ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے جو عقلی اور قیاسی بیان میں تمیز بخش سکتے ہیں وباللہ التوفیق۔

جدید دیباچہ تصنیف سے تیس سال بعد

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات، صالحات، اور بنتی ہوئی باتوں کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے کہ جہاں جلال ہے، اسی کا جلال ہے، اور جہاں عزت ہے اسی کی عزت ہے۔ اس کی ذرہ نوازیوں کا کیا ٹھکانا ہے۔ بڑے اور چھوٹے کاموں پر تو جانیے کہ جو چھوٹا ہے وہ چھوٹا ہی ہے، پر جو بڑا ہے، ہمارے اور آپ کے لحاظ سے وہ بڑا ہی، لیکن جو سب سے بڑا ہے، اللہ اکبر اس کے سامنے بڑائی کس کے لئے ہے؟

اللہ اللہ میں ان دنوں بیتے ہوئے دنوں کو کتنی حیرت کے ساتھ سوچتا ہوں، خیال آتا ہے، کہ اس وقت جبکہ ہجری سن کے حساب سے ۱۳۹۲ھ کا سال ہے اس سال کا یہی ربیع الاول الانوار الاقدس کا پاک اور برگزیدہ مہینہ تھا، لیکن سن آج سے ٹھیک تیس سال پہلے ۱۳۶۲ھ ہجری کا تھا، دارالعلوم دیوبند کے مجلہ شہریہ "القاسم" کی ربیع الاول ہی کی اشاعت تھی کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عنوان سے یہی مضمون جو آپ کے سامنے کتاب کی شکل میں پیش ہو رہا ہے شائع ہونا شروع ہوا تھا، لکھنے والے کے شان و گمان میں بھی نہ تھا کہ جس مضمون کو ایک مجلاتی مقالہ کی حیثیت سے وہ لکھ رہا ہے وہ کسی زمانے میں کتاب کا قالب اختیار کرے گا۔ اور سچ تو

یہ ہے کہ معلومات و مواد کے جس محدود ذخیرے کو سامنے رکھ کر مضمون شروع کیا گیا تھا، اس کے لحاظ سے اس وقت یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی۔

لیکن ربیع الاول، ربیع الثانی، الغرض ہر آنے والے مہینے میں النجم کے شماروں پر شمارے نکلتے چلے جاتے تھے اور بالالتزام اس مضمون کا سلسلہ سب میں جاری تھا، سمجھا جاتا تھا کہ اب ختم ہو جائے گا لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہر منزل پر پہنچنے کے بعد یہی دیکھا جاتا تھا کہ جتنا لکھا جا چکا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے جو ابھی نہیں لکھا گیا ہے۔

الغرض دینے والا دیتا جا رہا تھا اور لینے والا لے رہا تھا، خود لے رہا تھا اور دوسروں کو دے رہا تھا، اس عرصے میں بعض حوادث بھی پیش آئے، کچھ دن سلسلہ ٹوٹ بھی گیا، بہرحال وہی مضمون جو ۱۳۲۲ھ کے ربیع الاول کی اشاعت سے النجم میں چھپنا شروع ہوا تھا، بالآخر ۱۳۲۶ھ ہجری کی ماہ ربیع الثانی میں گویا کامل چار سال ایک ماہ میں جا کر ختم ہوا،

اور یہ ماجرا تو اس کتاب کے مضامین کی کمیت کا ہے، رہی کیفیت تو ظاہر ہے، کہ مضمون نگار کی مضمون نگاری کی ابتدائی مشق کا وہ زمانہ تھا واقعی طالب العلمی تو اس کی اب بھی جاری ہے، اور مہد کو لحد بنانے سے پہلے انشاء اللہ تعالیٰ وہ جاری ہی رہے گی لیکن اصطلاحی طالب العلمی کے جرگے سے تقریباً ان ہی دنوں میں وہ علیحدہ ہوا تھا، زندگی کے جس سفر کی آخری منزل اب سامنے ہے، اس وقت تک کل تیئیس سال[1]

---

[1] کیونکہ مسافر احمق فلک سا رسا تاریخی نام ہے (۱۳۰۱) جس کے اعداد میں اب اتفاقات کے ان ساعت کو کیا کہئے۔ آج بھی ربیع الاول ہی کا مہینہ ہے، جس سال اس مضمون کی ابتداء ہوئی وہ بھی ربیع الاول ہی کا ماہ مبارک تھا، اور غلام کو جس آقا کی دعوت میں شریک کر کے بھیجا گیا

اس پر گزرے تھے، ایسی حالت میں کیفیت کے متعلق کسی اہمیت کی بھلا توقع ہی کیا ہو سکتی تھی۔

لیکن اب میں کن الفاظ میں ان تعجب آمیز انبساطی احساسات کا اظہار کروں، جب اچانک، امام الملۃ، حکیم الامۃ، سیدی الامام مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک گرامی نامہ سے اسی مضمون کے متعلق پہلی دفعہ چونکایا گیا، حضرت والا سے شفاہی تعارف کی سعادت اس وقت تک نصیب نہیں ہوئی تھی اس لئے اور بھی تعجب ہوا، گو چند سطروں ہی کا وہ عنایت نامہ تھا۔ لیکن حضرت والا نے اس خط کو بھی ایک مستقل نام عطا فرمایا تھا، اور جسے عزت بخشی گئی تھی، وہ بھی ایک خاص خطاب سے نوازا گیا تھا، اسی زمانے میں القاسم کی کسی اشاعت میں اسی مکتوب گرامی کو شائع بھی کردیا گیا تھا اور اس وقت بھی موقعہ تھا کہ میں اس نامہ فیض شمامہ کو یہاں بجنسہ درج کرتا، لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش کے القاسم کے پرانے فائل میں وہ شمامہ نہ ملا، کاش! میری اس آرزو کی تکمیل کوئی صاحب آئندہ زمانہ میں فرمادیں۔

بہرحال جو کچھ یاد رہ گیا ہے اب اسی پر قناعت کرتا ہوں، خط کا نام سمجھئے یا عنوان یہ تھا۔

"خطاب من ہذا الفقیر الناظر"

"الی کتاب السید مناظر"

سلسلۂ گزشتہ پیدا کیا گیا اس وقت بھی وہی ربیع الاول کی وہ تاریخ تھی، جو آقا کی تشریف آوری مبارک و مسعود ہوئی تھا

جبلی نہیں کہ تا نفس گل بشنوی بس ست

اضطراری سعادتوں کو بھی بزرگوں نے سعادت کی ایک قسم قرار دی ہے فالحمد للہ علی من شمرا تھا ۱۲

جس لقب سے سرفرازی بخشی گئی تھی وہ یہ تھا یعنی خطاب کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا گیا تھا،

"الی سید المکاتبین احسن اللہ ملاحظہ"

مضمون کے جس حصہ کو پڑھ کر اس خاص عنایت کی طرف حضرت والا کی جو توجہ ہوئی تھی، اس کے بعد اس کا ذکر تھا، ارقام فرمایا گیا تھا کہ

"اس مضمون کا لکھنے والا اگر محقق ہو چکا ہے تو"

"یہ مضمون اس کی محققیت کی دلیل ہے" ورنہ"

"محققیت متوقعہ کی دلیل ضرور ہے"

اصل مکتوب چونکہ سامنے نہیں ہے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ الفاظ میں تقدم و تاخر کا اختلاف پیدا ہو گیا ہو، لیکن الفاظ انشاء اللہ یہی تھے، مجھے یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ "مجاذیب و مجانین" جو مسلمانوں کے فقراء کی ایک عام قسم ہے، اس باب میں فقیر نے جن خیالات کا اظہار اور جن مستند ماخذ کو اس سلسلہ میں پیش کیا تھا، اس پر خصوصیت کے ساتھ زیادہ شاباشی عطا فرمائی گئی تھی، بلکہ خیال آتا ہے کہ بطور وصیت کے یہ بھی ارقام فرمایا گیا تھا کہ آئندہ ان کی مشہور کتاب "التکشف" کو جو صاحب شائع کریں اس میں مضمون کے اس حصہ کا بھی اضافہ کر دیں۔ واللہ اعلم اس وصیت کی تعمیل کی گئی یا نہیں،

اور یہ پہلی بشارت تھی جو اپنے عہد کے ایک مجدد کے ذریعہ سے اس مضمون کی کیفیت کے متعلق مجھ تک پہنچی۔

اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا، کہ اس زمانہ کے معاصر پرچوں میں بھی اس مضمون کی نقلیں شائع ہونے لگیں۔ حتی کہ مدراس کے ایک بزرگ نے تو کتابی

کردیا کہ ابھی مضمون نصف سے کم ہی شائع ہو سکا تھا، لیکن تیسرے کام نہ دے سکے، اور تکمیل کا انتظار کئے بغیر جلد اول کے عنوان سے شائع شدہ حصہ کو کتاب بنا کر انھوں نے چھاپ بھی دیا۔ مجھے اس کی خبر نہ تھی! ایک دوست نے اطلاع دی، منگا کر دیکھا، کاغذ خصوصاً قسم اول میں تو انھوں نے گویا آرٹ پیپر ہی کا لگایا تھا۔ لیکن کتابت اور طباعت حد سے زیادہ حوصلہ شکن تھی۔ تاہم اپنے فطری انتشار کی بنیاد پر خاموش ہو کر رہ گیا،

پھر مضمون کی تکمیل کے بعد مطبع قاسمی کے مالک اور مہتمم مولانا طاہر صاحب نے بھی کتاب کی شکل میں دوسری دفعہ اس کو چھاپا، مگر افسوس ہے کہ چھاپنے سے پہلے اب کی بھی مجھے مطلع نہ کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو کتابت و طباعت کاغذ کے لحاظ سے تو چنداں شکایت کی کوئی بات نہ تھی، لیکن مدراسی نسخہ میں جو نقائص اور غلطیاں رہ گئی تھیں قریب قریب وہ ساری باتیں طبع دوم میں بھی باقی ہی رہ گئیں۔ لیکن درویش کا قہر ظاہر ہے کہ جان درویش کے سوا اور کہاں جا کر ٹوٹ سکتا ہے۔

اس عرصے میں وقتاً فوقتاً بعض اہل نظر کی نظر سے یہ کتاب گزرتی رہی ان نقائص اور خرابیوں کے باوجود میں نے تبریک و تحسین کے ان الفاظ کو ہمیشہ تعجب سے پڑھا، اپنے آپ کو جن کا کبھی مستحق نہیں خیال کرتا تھا، مولوی ظفر الملک علوی تو اپنے رسالے 'الناظر' میں ہمیشہ اس کتاب کا اشتہار دیتے ہوئے التزاماً ان الفاظ کو استعمال کرتے تھے کہ "نرالے اور البیلے" طرز تحریر کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہے"

اس سلسلے میں کم از کم میری نگاہ میں جس واقعہ کی حیثیت ایک تاریخی واقعہ کی ہے، وہ اس فقیر اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق

و مترجم قرآن کے تعلقات کی ابتداء ہے جس حلقہ میں فقیر اور مولانا کے تعلقات کو آج خاص امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، شاید ان حضرات کو یہ معلوم نہیں کہ ابتداء ان کی اسی کتاب "الفاروق" سے ہوئی۔

خاکسار جامعۂ عثمانیہ میں "معلم المعیار ق" کی خدمت اختیار کرچکا تھا جامعہ ہی میں ایک دن ایک کارڈ ملا ایسے حروف میں لکھا ہوا جن سے آشنا نہ تھا، اور حروف بھی ایسے کہ اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے ان سے یوں بھی آشنا ہونا مشکل ہی تھا، تاہم کوشش کی گئی اور بحمداللہ آشنائی میں کامیابی اور کیسی کامیابی! جس کا سلسلہ یہ توقع ہے کہ ابد تک انشاء اللہ تعالیٰ باقی رہے گا، الدنیا کے ساتھ ساتھ "الآخرۃ" میں بھی امیدوار ہوں کہ اس کے نتائج سے مستفید ہونے کا موقعہ بخشا جائے گا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز مولانا عبدالماجد صاحب نے اپنے اس سب سے پہلے عنایت نامہ میں ارقام فرمایا تھا کہ تمہاری کتاب جو صورۃً ـ اگرچہ پڑھنے کے قابل نہ تھی۔ لیکن غالباً کسی کے کہنے سے میں نے جب اس کو پڑھ لیا تو مصنف کو اس کی محنت کی داد نہ دینا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید جرم اور گناہ کی حد تک پہنچ جائے، الغرض اسی گناہ کے ازالہ کے سلسلے میں اس رقیمہ مودت سے سرفرازی بخشی گئی تھی، اسا میں کچھ ارقام فرمایا گیا تھا، مجھے یاد بھی نہ رہا۔ اور ضرورت اعادہ کی باقی ہی کب ہے "سچ" اور "صدق" کے صفحات میں "الحب للہ" کے زیر اثر ان کے قلم نے جو ابدی نقوش ثبت کئے ہیں، ظاہر ہے کہ اب اس سے زیادہ اس سلسلہ میں اور کیا لکھا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان صوری اور معنوی نقائص اور کوتاہیوں کے

باوجود جو اب تک اس کتاب میں باقی رہ گئی تھیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ
لکھنے والوں نے اگرچہ

من صنف استہدف   جس نے تصنیف کی وہ نشانہ بنایا گیا

کے فقرے کو ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور کر دیا ہے، لیکن خدا کے
فضل و احسان کے سوا اسے اور کیا سمجھوں کہ فقیر کو بالکل اس کے برعکس
اپنی اس کتاب کے متعلق

من صنف عُرِف   جس نے تصنیف کی، اس کی تعریف کی گئی

کا مسلسل تجربہ ہوتا رہا۔

نواب صدر یار جنگ بہادر سابق صدر الصدور ممالک آصفیہ سے
نیاز مندی کے تعلقات گو بہت قدیم ہو چکے تھے، لیکن ان کے سامنے
اپنے تصنیفی کوششوں کو پیش کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔
ایک خاص چیز "الغفاری" ان کی نظر سے اتفاقاً جب گزری تو جو اثر اس کتاب کا
ان کے قلب دانا اور ضمیر روشن نے لیا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے
کہ پچھلے دنوں بیسیوں چیزیں فقیر نے لکھیں، لیکن شروانی صاحب نے سب کو
پڑھ کر یہی ارقام فرمایا کہ "الغفاری" والی بات کسی میں نہیں۔ ایک عجیبہ
قریب ہوتا ہے کلکتہ کے مشہور سیاسی مجاہد مولوی راغب احسن ایم اے
کا شفقت نامہ آیا۔ وہ ایک زمانہ تک ڈاکٹر اقبال مرحوم کے حلقہ
نشینوں میں رہ چکے ہیں۔ وہی ارقام فرماتے ہیں کہ تیری کتاب "الغفاری" کو
ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی بہت پسند فرماتے تھے۔ بلکہ انھوں نے یہی لکھا
کہ اس کتاب میں حضرت ابوذر کے جس خاص "معاشی نظریہ" کا ذکر کیا گیا
ہے، اسی کو نصب العین بنا کر ڈاکٹر مرحوم نے مولوی راغب صاحب کے

آمادہ کیا تھا، کہ "ابوذر سوسائٹی" کے نام سے مسلمانوں میں ایک خاص جماعت تیار کرنی چاہیئے۔[1]

تیس سال کی مدت کے یہ سوانح ہیں۔ جو اس کتاب پر گزرے لیکن میں ان کوتاہیوں کی وجہ سے جو اس میں رہ گئی تھیں ہمیشہ اپنے آپ کو قلق میں پاتا تھا۔ کچھ دن ہوئے، ارادہ کرکے بیٹھ گیا۔ اور نظرثانی میں مشغول ہوا۔ عنفوان شباب کی لکھی ہوئی کتاب کو اپنی کہولت بلکہ شیخوخت کے قریب زمانے میں دیکھنے سے جو کیفیت کسی مصنف پر گزر سکتی ہے گزری تو وہ مجھ پر بھی، اور جی چاہا کہ بجائے نظرثانی کے نئے سرے سے اسے پھر مرتب کردوں۔ اس عرصے میں بعض نئے معلومات بھی مختلف کتابوں میں مل گئے تھے۔

لیکن پھر خیال آیا، کہ ایک خاص وقت میں جو واقعی میری زندگی کا خاص وقت ہی تھا، اس کے یاد دلانے کی جو کیفیت کتاب کی موجودہ حالت میں جو پائی جاتی ہے، جدید ترتیب و تدوین میں وہ بات جاتی رہے گی، مناسب یہی معلوم ہوا کہ نومشقی کے زمانہ میں جس طرح بھی جو چیزیں پڑی تھیں اب اس کو اسی حال میں رہنے دیا جائے بلکہ بعض جاننے والوں نے تو مجھ سے یہ بھی کہا کہ جس حال میں یہ مضمون تم نے لکھا ہے، چونکہ اب وہ حال تمہارا باقی نہیں رہا ہے، اس لئے گو یہ ہو سکتا ہے جدید ترتیب و تدوین میں الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے کتاب زیادہ

---

[1] یہ رائے میرے شفیق منجھلے بھائی برادرم مولوی سید مکارم احسن گیلانی سلمہ اللہ تعالیٰ کی ہے انھوں نے جن حالات میں مجھے زندگی کے مختلف نشیب و فراز میں پایا ہے، ان ہی واقفیت اور کس کی ہو سکتی ہے اسی لئے ان کی اس رائے کا مجھ پر خاص اثر پڑا ۱۲

بہتر اور پختہ بن جائے۔ لیکن تاثیر کی جو کیفیت اس میں تمہارے اس زمانے
کے باطنی واردات اور احساسات کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے، وہ یقیناً نہ
پیدا ہو سکے گی، اور یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب کے جن تاثیری نتائج کے
معائنہ کرنے کا موقعہ وقتاً فوقتاً مجھے ملتا رہا ہے اپنے بھی دوسرے مضمون
یا کتاب کے متعلق ان کا تجربہ کبھی نہیں ہوا، بہار کے ایک رئیس و عالم جو مجھ سے
عمر میں کہیں زیادہ تھے، حضرت مولٰنا محمد علی صاحب (مونگیری) قدس اللہ سرہ العزیز
کی خانقاہ کی حجرے میں ایک دن ان کو دیکھا کہ پلنگ پر لوٹ رہے ہیں
اور ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں، مولٰنا رحمت اللہ ان کا نام تھا، مظفرپور وطن
تھا، ایک مستقل عربی مدرسے کے ناظم و بانی تھے اب انتقال ہو گیا رحمۃ اللہ علیہ
بہرحال اس حال میں ان کو پا کر جب میں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ فرمانے
لگے کہ کیا ہوا؟ خود تم نے ذبح کیا اور پوچھتے ہو کہ تڑپتے کیوں ہو، فرمانے
لگے بھائی! ابھی تمہارا مضمون حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
والا پڑھ رہا تھا، بعض مقامات اس کے ایسے تھے کہ دل بے قابو ہو گیا،
اس وقت رو رہا ہوں اور ایک ان ہی کو نہیں، متعدد حضرات پر اس کتاب کا
اثر یہی پایا گیا ہے،

ان ہی وجوہ و اسباب نے جدید تدوین و ترتیب کے خیال سے
تو ہٹا دیا صرف کتابت کی غلطیاں جہاں جہاں رہ گئی تھیں حتی الوسع
ان کو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور کچھ جدید معلومات اس عرصے
میں جو جمع ہو گئے تھے، ان میں سے بعض ناگزیر اہم باتوں کا اضافہ چند
مواقع پہ کر دیا گیا ہے۔

ہمارے برادر عزیز مولوی مخدوم محی الدین صاحب (نظام آبادی) نے

میری تصحیح اور اس اضافہ کے بعد وا بے مطبوعہ نسخہ کو پھر قلم سے نقل کرکے میرے حوالہ کردیا تھا، جو کئی سال سے میرے پاس پڑا ہوا تھا، اب میرے محترم دوست مولوی غلام دستگیر رشید پروفیسر نظام کالج کی تحریک سے مولوی اقبال سلیم صاحب (گاہندری) تیار ہوئے ہیں۔ کہ اس مسودہ مرمہ نسخہ کو طبع کرکے شائع کریں، حق تعالیٰ ان کی اعانت فرمائے اور ان کا یہ نیک ارادہ پورا ہو

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

کلیہ جامعہ عثمانیہ (شعبہ دینیات)

۲۲ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبیلہ غفار کی جائے سکونت

مکہ مکرمہ سے جو کاروانی راستہ پہاڑوں کے وتروں اور ریگستانی بیابانوں میں ہوتا ہوا شام و فلسطین کی طرف جاتا ہے ٹھیک اسی شاہراہ کے کسی ایک سمت میں غفار بن ملیل بن ضمیر (جو کنانی النسل[2] عرب تھے) کی اولاد و غفار کے نام سے بسی ہوئی تھی[1] عام طور سے اس لفظ کا تلفظ غین کے زبر اور ف کے تشدید کے ساتھ کیا جاتا ہے یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ غین کو کسرہ یعنی زیر اور ف کو بغیر تشدید کے پڑھا جا یعنی غِفار۔

---

[1] حافظ ابن حجر نے واقدی کے حوالہ سے خفاف (مشہور معرکہ کارزار) کے تذکرہ میں نقل کیا ہے کہ عین غیقہ میں بنی غفار آباد ہیں اور یہ ان کے منازل تھے" ۔ معجم و معرفت صد یقہ جب کا یہی مطلب ہے کہ بنی غفار کے متعدد بزرگوں کا بیان ہے کہ جو ان لوگوں کا اصلی وطن قیام کی جگہ تھی ممکن ہے کہ قبیلہ غفار کے مختلف منازل میں یہ بھی ہو ۱۲

[2] کنانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پندرھویں پشت میں واقع ہوتے ہیں اور انھیں پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ دیباچہ تفصیل ۱۲

[3] بخاری۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص [illegible]

غفاریوں کے اخلاق و عادات

قریش[1] کے رحلۃ الصیف کا ایلاف و شوق انہیں پہاڑی سڑکوں کی پشت پر پڑا ہوتا تھا۔ آئے دن قریشی تاجروں عربی ساہوکاروں کے ہزاروں اونٹ عرب کی مخصوص پیداواروں سے لدے ہوئے شام کی طرف جاتے تھے۔ اور وہاں سے شامی تحفے رومی دولتوں کے انبار عرب لاتے تھے خیال کیا جاتا ہے کہ جوں جوں بازنطینی حکومت شام میں اپنے قدم جماتی تھی عربی تجارت کو خاص ترقی ہوتی رہی — غسانیوں کی پشت پناہی میں رومی دیاروں تک عرب کی بخوبی گزر ہوتی تھی۔ ان کے لئے ان ملکوں میں ہر طرح کی آسانیاں پیدا ہوتی رہیں۔ تا آنکہ آخر زمانہ میں تو عرب تجارت سے رومی حکومت نے چنگی کا محصول بھی اٹھا دیا تھا۔

قیاس کا مقتضیٰ ہے کہ عرب کی ان تجارتی ترقیوں پر راستے کے قبائل واعراب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑنے لگیں اور رفتہ رفتہ اس معاملہ نے یہ صورت اختیار کی کہ غفار کے جوشیلے بہادر نوجوانوں سے نہ رہا گیا۔ پھر جیسا کہ جاہلیت وافلاس اور شجاعت کے عمومی جذبات رقوی کا تقاضہ ہے۔ غفاریوں کے ہاتھوں سے دامن صبر چھوٹ گیا۔ گزرنے والے قافلوں پر انھوں نے ڈاکہ زنی شروع کردی۔ بیچارے راہ گیر و غریب مسافروں کو لوٹنے لگے۔

اس کے بعد یہ ناممکن تھا کہ ان کی غارت گری اسی حد تک آکر ٹھہر جاتی۔ ہر جرم دوسرے جرم کا مقدمہ ہے، علم النفس کا ایک مشہور و مسلم

---

[1] قریش اپنے ملک سے تجارت کی غرض سے دو موسموں میں نکلا کرتے تھے گرمیوں میں ان کا سفر شام و بصریٰ کی طرف ہوتا تھا اس کا نام رحلۃ الصیف یعنی گرمی کا سفر تھا اور سردیوں میں یمن کے مرکزی شہروں میں گھومتے ہوئے۔ عراق کی طرف پھیل جاتے تھے اور اس کا نام رحلۃ الشتاء یعنی سردی کا سفر تھا۔ قرآن مجید نے ان کے دونوں سفروں کا ذکر کسی خاص مناسبت کے ساتھ کیا ہے ۱۲

قانون ہے؟ ضمیر کے خلاف جس وقت ایک کمزوری بھی سرزد ہو جاتی ہے تو آئندہ اب اس کا انسداد مشکل ہو جاتا ہے بسا اوقات بے باکی بہت زیادہ دردناک ہو جاتی ہے۔ غفاریوں کو کیا معلوم تھا کہ راہزنی کے بعد انہیں ارد گرد کے قبیلوں کے ریوڑ بھی تاخت و تاراج کی دعوت دیں گے حتیٰ کہ ایسا ہی ہوا۔ غفاری ڈاکوؤں کی ایک جماعت بھی جو صبح کی اندھیریوں میں اکثر قبیلوں پر چھاپے مارتی۔ چراگاہوں پر دھاوے کرکے ان کے اونٹوں کو ہنکا لاتی۔[1]

غفار کا شہر حرام کی تحلیل

اور آہ کہ اگر اسی پر بس ہو جاتا تو ایک حد تک غنیمت تھا لیکن یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ جب عیش پرستی اور مال اندوزی کے ناپاک جذبات کا روحوں اور دلوں پر تسلط ہو جاتا ہے تو انسان پھر انسان باقی نہیں رہتا۔ اس کے دل و دماغ پر مہر لگ جاتی ہے۔ پھر وہ نہ حقوق اللہ کی پرواہ کرتا ہے اور نہ خلق اللہ کی زبان ملامت اسے روک سکتی ہے۔ حرص و ہوا کے دیوتاؤں نے ہمیشہ روحانیت کی دیواروں کو معمورۂ دل سے ڈھا کر برباد کیا ہے حتیٰ کہ احساس عزت و خودداری بھی معطل ہو جاتے ہیں۔

بنی آدم اپنی ہستی آپ فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اسے بالکل خیال نہیں ہوتا کہ میری حرکتوں پر دنیا کیا کہے گی۔ خدا کو کیا جواب دونگا۔

یہی بدحالی یہی ابتری غفاریوں پر آخر میں طاری ہوئی کہ اب تک وہ جو کچھ بھی کر رہے تھے عرب کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی اور ایک حد تک ایام جاہلیت کی بین الاقوامی قانون کے اعتبار سے یہ امر چنداں

[1] مستنبط از طبقات ابن سعد و صحاح

شنیع بھی نہ تھا لیکن اب ان کا قدم اور زیادہ تیز ہوا یعنی اشہر حرم[1] کی تعظیم وتکریم جو عرب اور تمام عرب کے نزدیک خواہ وہ کسی صورت میں ہو ایک مذہبی روایت قومی خصوصیت کی شکل میں مسلم تھی۔

---

[1] اشہر حرم چار ہیں جن کی ترتیب صحیح روایات کے اعتبار سے یہ ہے رجب مضر، ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم۔ رجب کو رجب مضر اس لئے کہتے ہیں کہ ربیعہ کی نسلیں بجائے رجب کے رمضان کا احترام کرتی تھیں قبائل عرب ان مہینوں میں قتال و محاربہ، غارت و تاراج کو حرام سمجھتے تھے حتیٰ کہ اس کی پابندی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اگر ان مہینوں میں کسی کے سامنے اس کے باپ کا قاتل بھی آجاتا تو قتل و قتال تو کجا برا بھلا کہنا بھی روا نہیں رکھتے تھے، بعد کو جب عرب میں ملت ابراہیمیہ کی جانب سے لاپرواہیاں ہونے لگیں تو اعتقاد میں کمی ہونے لگی جنگ اور جھگڑے کی بنا پڑی مثلاً اگر محرم میں ان کو لڑنا منظور ہوتا تو محرم کی حرمت صفر پر منتقل کر دیتے اگر اس میں بھی فرصت نہیں ملتی تو ربیع الاول اس تعظیم کا حامل قرار پاتا وھکذا۔ حتیٰ کہ اخیر میں کیف ہو گیا کہ حرمت صرف سال کے چار مہینوں میں بے تخصیص کی قید محض ہے مگر اس میں بھی انہیں دقت ہونے لگی۔ ۱۲ مہینے جلد جلد ختم ہو جاتے تو ہر عمر سال میں اضافہ شروع ہوا۔ کوئی سال تیرہ مہینے کا اور کوئی ۱۴ کا الی غیر ذالک — ان تحریفات کا اثر موسم حج پر بھی پڑتا تھا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۹ھ میں جب حج کیا ہے تو ذیقعدہ کا مہینہ تھا۔ آخر میں جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ۱۰ھ میں کیا تو ذی الحجہ کا مہینہ تھا جو ٹھیک موسم حج تھا اسی بنا پر آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا۔

الا ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض (صحاح)	جس وقت خدا نے آسمان و زمین پیدا کئے تھے زمانہ کی جو ہیئت اس وقت تھی اسی پر آج پھر گھوم کر آ گیا۔

مگر ان دنیا پرستوں نے میرے خیال میں محض اس لئے کہ ان چار مہینوں کے قافلے ہاتھوں سے بلا وجہ ضائع ہو جاتے ہیں متفق ہو کر یہ قانون پاس کر لیا کہ اشہر حرم کی تمام احکام و رعایات ایک بے معنی مذہبی ڈھکوسلے ہیں جس میں علاوہ قدامت پرستی کے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک عظیم معاشی نقصان جو کسی طرح قابل برداشت نہیں غفاریوں کو اٹھانا پڑتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ محض اس عقیدہ کی وجہ سے ہماری رفاہیت تو یہ افلاس و مسکنت کی شکار بن جائے۔

الغرض قبیلہ غفار نے اشہر حرم کی حرمت کو حلال کر کے پھر وہ کھیل کھیلا کہ عرب کی سب سے بہادر قوم قریش بھی ان کی ترکتازیوں سے دبنے لگی انہیں ہر موقع پر باوجود سیدالاقوام ہونے کے ان کی رعایت کرنی پڑتی تھی۱؎

آپ کی ولادت اور نام و نسب

غفاریوں پر اسی قسم کے طغیان و تمرد کے بادل چھائے ہوئے تھے لیکن انہیں دنوں میں جنادہ بن کعب بن صغیر بن الواقعہ بن سفیان بن حرام بن غفار کے گھر رملہ بنت ربیعہ کے بطن سے جو ایک غفاریہ خاتون تھیں وہ سعید لڑکا پیدا ہوا جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان کو زمین نے اپنی پشت پر

بقیہ گزشتہ۔ قرآن مجید نے بھی ان مہینوں میں فساد و ظلم سے منع کیا ہے مگر بالاتفاق مقصود یہ ہے کہ ان مہینوں میں ارتکاب جرائم میں زیادہ برائی ہے ورنہ یوں تو گناہ گناہ ہے ۱۲۔ قرآن میں ہے۔ یہ بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ سرزمین حرم کو ایک خاص خصوصیت ہے کہ گناہ کی برائی اس میں زیادہ شدید ہو جاتی ہے ۱۲

۱؎ ماخوذ از بخاری

کبھی نہیں اٹھایا تھا اور نہ آسمانوں نے اس سے زیادہ اصدق ترین لہجے والے کو اپنے آغوش ظلال میں پالا تھا اور جو اپنے عیسوی تقویٰ و ورع کی وجہ سے اخیر میں مسیح الامۃ کے نام سے ملقب کیا جانے کا بجا طور پہ مستحق قرار پایا۔

ماں باپ نے آپ کا نام جندب[1] رکھا اور اسی نام کی وہ پیاری تفسیر ہے جسے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے "یا جنیدب"[3] کے مشفقانہ خطاب میں استعمال فرمایا ہے۔ ابوذر آپ کی کنیت ہے عام طور[2] آپ اسی کنیت کے ساتھ مشہور ہوئے۔

ایام جاہلیت کے ابتدائی حالات و سیر

یہ بالکل ناممکن ہے کہ انسان جس قوم میں پیدا ہو اُن کے عادات و اطوار کے پرتو اس پر نہ پڑیں۔ الا ماشاء اللہ۔ غفار ایک غارت پیشہ، راہزن قوم تھی۔ تو کوئی تعجب نہیں، اگر حضرت ابوذر غفاری میں بھی اُن کے عادات و خصائل پیدا ہو گئے۔ بالآخر یہی ہوا۔ جب کچھ جوان ہوئے، تیر و کمان سنبھالنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ دست و بازو نے تلوار کے قبضہ کی طرف اشارہ کیا۔ اُٹھے اور جا کر قافلوں کو لوٹ لیا۔ ریوڑوں کو ہنکا لائے فطری شجاعت نے اُن کو اور بھی زیادہ

---

[1] یہ نص نبوی ہے جیسا کہ عنقریب آپ کے مناقب میں اس کی تفصیل آتی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کما سیاتی ۱۲

[2] بعضوں نے آپ کا اصلی نام بریر بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی ہو گیا ایک نہ ایک دو نام نہیں ہوتے ۱۲ [3] ابن ماجہ

جری بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی زیادہ ولولہ اٹھتا تو تن تنہا راتوں کو قبیلوں پر جا پڑتے، اور عرب کے بہادر گلہ بانوں کو للکار کر تہ تیغ کرتے ہوئے اونٹوں کو ہنکا کر اکیلے اپنے قبیلے تک لے آتے۔ کبھی خیال گزرتا تو گھوڑے کی پیٹھ پر بلا کسی رفیق کے کاروانوں کو جا کر لوٹ کھسوٹ لیتے تھے دیکھنے والوں کا بیان ہے ان کا حملہ پیادہ پا ہوتا تو عجیب چستی و چالاکی سے قافلوں میں گھستے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بپھرا ہوا شیر بکریوں پر جا پڑا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنی اس قزاقانہ مساعی پر قوم کے بزرگوں سے خوب خوب داد ملی اور چونکہ جوان طبیعتوں کی اشتعال پذیری کے لئے اس سے زیادہ موثر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ انھوں نے راہزنی میں نمایاں حصہ لینا شروع کیا ہوگا اور اس معاملہ میں بہ نسبت اور لوگوں کے ان کی دست درازیاں حد سے گذر گئیں ہوں گی اور میرے نزدیک یہی زیادتی شاید ان کے لئے راہزنی سے توبہ مفید ہوئی۔ غالباً ان کی سلیم فطرت بچوں کے مسلسل شور و بکا، عورتوں کی گریہ و زاری سے آخر میں متاثر ہوئی۔ ناممکن ہے کہ دھاڑیں مار مار کر بیچاری عورتیں ان کے قدموں پر روز و شب تڑپتیں۔ اور وہ دل جو قدرت نے ان کے سینے میں ودیعت فرمایا تھا اس سے نہ پگھلتا۔

آخر پگھلا، پسیجا، کہ آپ پر اصلی فطرت غالب آگئی۔ اور صحبت کے بہتے آثار جو طبیعی نہ تھے مشتہر ہو گئے۔ آپ کو اپنی غاصبانہ حرکتوں پر سخت ندامت ہوئی عقل نے بھی اندرونہ دل میں رافت اور رحمت کی

باندیں ٹپکائیں۔ اور آخیر میں یوں سمجھا کہ وہ جو ہمیشہ گرتوں کو سنبھالتا اور ڈوبتوں کو تِراتا ہے مُردے سے زندوں کو اُٹھاتا ہے۔ اُسی کا دستِ کرم ظاہر ہوا اور کھل گیا کہ یہ جو کچھ ہے حرص کی غلامی اور ہوا و ہوس کی پرستاری ہے۔

اِدھر خیالات میں یہ انقلابِ عظیم پیدا ہوا۔ اُدھر خیر کے دریا کو جنبش میں لے آیا کہ اس کے بعد ہی جیسا کہ ہر تائب کو توبہ کے بعد ہوتا ہے جرائم و معاصی کی مفصل فہرست آنکھوں کے سامنے کھل گئی۔ گزشتہ تعدّیوں، خونریزیوں کے خیال نے ہوش اُڑا دئے۔ آخرت کے خیال نے دل میں ہلچل ڈال دی۔

اِسلام سے پہلے عبادتِ خدا کا خیال

عرب مشرک ضرور تھے دیوتاؤں اور دیویوں پر انہیں یقیناً بھروسہ تھا، اور یہی خدا بھی تمام اعمال ضلالت و خبث میں اُن کے دوش بدوش تھے، لیکن قرآن و حدیث ایام و اشعار کی تتبع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو اُنھوں نے سرے سے بھلا نہیں دیا تھا، اگر ہم کہیں کہ وہ اپنے تمام معبودوں میں خداوند تعالیٰ کو سب سے بڑا سب سے زیادہ قدرت و حکمت والا مانتے تھے تو کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ بتوں کو اُنھوں نے محض سفارت و شفاعت کا عہدہ دے رکھا تھا اپنی معمولی حاجات یا اکثر دنیوی ضروریات کو ان کے آگے پیش کرتے تھے ورنہ اگر کوئی امر مہم پیش آجاتا تو اس وقت اُن کی پیشانی بھی خدائے واحد ہی کے آگے جھک جاتی تھی۔

فاذا رکبوا فی الفلک دعوا جب کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں تو

اللہ مخلصین لہ الدین — خدا کو سچے دل سے پکارتے ہیں پھر
فلما نجاھم الی البر اذا ھم — جب خدا انھیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے
یشرکون۔ — تو وہی شرک کرنے والے ہو جاتے ہیں

سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ بعض قبیلوں کے
دلوں میں تو ان بتوں کی چنداں وقعت بھی نہ تھی کھجوروں کے بت کو
قحط کے ایام میں عربوں کا چٹ کر جانا ان کی دلی تکریم کی پوری تشریح کرتا ہے
بہر کیف وہ خداوند تعالیٰ کو ضرور مانتے تھے اور سب سے
بڑا معبود مانتے تھے۔ اپنے اہم معاملات میں اس کی طرف رجوع کیا کرتے
تھے علی الخصوص جب کہ کوئی اخروی و دینی ضرورت ہو۔

اور اسی بناء پر میرا قیاس ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو چونکہ اپنی عاقبت؎ کی بد انجامی کا خوف روز بروز بہت زیادہ
شدت پذیر ہوا۔ مضطرب ہو کر انھوں نے بجائے اساف و نائلہ لات
و عزیٰ کے یہی رائے قائم کی کہ میرا جرم عظیم ہے میں نے سیکڑوں بیکسوں
مسافروں بچوں اور عورتوں کو بے دردی کے ساتھ ستایا ہے۔ اس لئے
اب مجھے اپنی عمر کا باقی حصہ اکیلے خدا کی عبادت و پرستش میں گزار دینا
چاہئے۔ ممکن ہے کہ یہی عبادت گزشتہ معصیتوں کا کفارہ ہو جائے۔ اس
خیال کا رنگ آپ پر اس قدر گہرا ہو کر چڑھا کہ بغیر کسی تعلیم و ارشاد کے
خود اپنے جی سے عبادت کی کچھ صورت مقرر کر لی کہ صرف دل کی پیشانی

؎ آخرت کا خیال اکثر عربوں میں موجود تھا البتہ ایک روشن خیال طبقہ تھا جو ان چیزوں کو
اساطیر الاولین (پہلوں کی داستانیں) اور "افک قدیم" (پرانا جھوٹ) کہہ کر ٹھکرا
دینے کی کوشش کرتا تھا ۱۲

اور اقرار الوہیت سے عبادت کی حقیقت مکمل نہیں ہو سکتی تھی جیسا کہ فطرت سلیمہ بشریہ کا تقاضا ہے۔
خود فرماتے ہیں۔

ولقد صلیت یا ابن اخی قبل ان القی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث سنین (طبقات و صحیح مسلم)	میرے بھتیجے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے سے تین سال پہلے سے نماز پڑھتا تھا۔

راوی نے پوچھا کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے تھے کہ عرب کی شرک و ضلالت کو دیکھتے ہوئے اس کو نماز کا نام سن کر تعجب ہوا آپ نے فرمایا کہ للہ (خدا کے لئے)

اس نے پھر پوچھا کہ تو کس طرف رخ کر کے پڑھتے تھے جواب میں فرمایا۔

حیث یوجھنی اللہ	جدھر اللہ تعالیٰ جھکا دیتے ہیں۔

اور اخیر میں تو گزشتہ اعمال و افعال کی فراوانی دیکھ دیکھ کر اس درجہ آپ پر خشیت مسلط ہوئی کہ تعجب ہوتا ہے۔ خود بیان کرتے ہیں۔

اصلی عشاء حتی اذا کان اخر السحر القیت کانی خفاء حتی تعلونی الشمس (صحیح مسلم و طبقات)	رات کی نماز کے لئے کھڑا ہوتا اور کھڑا رہتا یہاں تک کہ جب پچھلی رات بھی ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیتا اور اس طرح پڑا رہتا کہ گویا کوئی کپڑا پڑا ہوا ہے یہاں تک کہ مجھ پر دھوپ پڑنے لگتی تھی (ترجمہ)

الغرض چند ہی دنوں میں حضرت ابوذر غفاری کا رنگ ہی دوسرا

ہوگیا۔ راہزنی کے تمام ولولے تاخت و تاراج کے جوش و خروش یکایک ٹھنڈے
پڑ گئے۔ صبح و شام اپنی فرضی عبادت میں محو رہتے۔

ترکِ وطن

ایسا خیال ہوتا ہے کہ بنی غفار پر آپ کی اس اجنبی حالت
کا خاص اثر ہوا ہوگا۔ اولاً تو ان باتوں کو وہ ایک جنون
و دیوانگی سمجھتے ہوں گے ثانیاً اُن کو اپنے قوم کے ایک بہت بہادر کی کمی کا
خیال بہت گراں گزرا ہوگا پھر ساتھ ہی اس کے جیسا کہ نفس انسانی کی
سلیم فطرت کا اقتضا ہے کہ وہ اندھے کو کنویں کی طرف جاتا دیکھ کر چلا
اٹھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اس میں گرنے نہ پائے اسی طرح یقیناً
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن چیزوں کو اپنے روحانی احکام
کے ذریعے سے بری سمجھ چکے تھے ان سے اپنی قوم اور برادری کے لوگوں کو
روکتے ہوں گے خصوصاً جب کہ ان کو اپنی قوت فیصلہ کی طاقت پر اس
درجہ اعتماد بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایام اسلام میں صحابہ کی رایوں کی بھی پروا
نہیں کرتے تھے جس کی تفصیل آگے آتی ہے تو غالباً اس روک ٹوک کا
قصہ بڑھتے بڑھتے زیادہ طول کھینچا ہوگا تفصیل تو نہ مل سکی گمان ہے کہ
نزاع شہر حرام ہی کے متعلق ہوئی۔ اور معاملہ زیادہ نازک ہوا۔ بنی غفار
آمادہ اذیت و پیکار ہوئے حتیٰ کہ مجبور ہو کر آپ نے اس وقت ترکِ وطن
مناسب سمجھا فرماتے ہیں۔

خرجنا من قومنا غفار وكانوا	اپنی قوم غفار سے میں نکل کھڑا ہوا۔ وہ لوگ
یحلون الحرم (مناقب صحیح مسلم)	حرام مہینوں کو حلال سمجھتے تھے۔

اپنی جلاوطنی کے قصے کے درمیان میں اشہر حرم (حرام مہینوں کی) تحلیل کا
آنا بتاتا ہے کہ آپ کی زیادہ برافروختگی اسی مسئلہ پر تھی۔

بہرکیف آپ اپنی والدہ محترمہ اور بھائی انیسؓ کو ساتھ لے کر گھر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہی بنی غفار جن کو کسی زمانہ میں ابوذرؓ کے دست و بازو پر فخر و ناز تھا۔ آہ کہ کس درجہ حیرت ناک نظارہ ہے کہ حق و صداقت کی حمایت کی بدولت وہ اپنے آبائی وطن کو چھوڑ رہا ہے سچائی نے لوگوں کو اس کا دشمن بنا دیا ہے۔ اس کی تمام آبرو عزت محض اس لئے دلوں سے نکل چکی ہے کہ وہ ان کے فسق و فجور پر راضی نہ تھا۔ تاریخ کی زبان گو ساکت ہے۔ اور نہیں بتاتی کہ قوم کے اس معزز انسان پر اس کی اصلاح کے بعد کیا کچھ گزری لیکن تجربہ اور مشاہدہ تصویر بکف ہے۔ وہ آئے دن اس کا مرقع ہمارے سامنے اس وقت پیش کرتا ہے جب جب مہذب ڈاکوؤں متمدن غارت گروں کی جماعت کا کوئی آدمی رشوت و خیانت فریب و دغا بازی کی عادتوں سے توبہ کرکے محض اپنی حلال تنخواہ پر اوقات گزارنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو یکایک جیسے اس وقت اس کی تمام تر بیدار مغزیاں انتہائی خردمانیوں کے لفظوں سے تعبیر کی جاتی ہیں اگر اس سے پہلے وہ اپنے کنبہ کا سب سے زیادہ ہوشمند و جواں بخت فرد تھا تو اس کے بعد قبیلے کا وہ ایک سخت احمق اور منحوس آدمی بن جاتا ہے۔

اس سے پہلے قوم کا ایک ایک آدمی اس کی عنایت پرورانہ نظروں کا آرزو مند رہتا تھا۔ لیکن اب لوگوں کو اس کی چیخ پکار کی بھی پرواہ نہیں وفی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار۔

جب حق و راستی کے یہ لازمی نتائج ہیں تو اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ساتھ بھی ان کی قوم کا یہی برتاؤ ہوا تو کوئی تعجب نہیں۔

غفار کے خیموں پر جوان کے بچپنے کے کھیلنے کی جگہ تھی۔ ان صحراؤں پر جوان کی شہسواری کے بازی گاہ رہے تھے آ، کہ ان سب پر نگاہ حسرت[1] الم ڈالتے ہوئے وہ رخصت ہو رہے ہوں گے۔ مگر امید نہیں کہ غفار کا کوئی آدمی ان کو روکنے کے لئے اٹھا ہوگا۔ اور غفاری کیا روکتے کہ وہ تو جاہل تھے۔ آج جب تعلیم یافتوں کا یہی حال ہے تو نا بجا بلال پہ رسد۔ خصوصاً بعض ضعیف روایتوں سے جب یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابوذرؓ جس سال اپنے وطن سے باہر نکلے وہ قحط کا سال تھا قبیلہ والوں نے "خس" کی اس کمی کو "جہاں" کی پاکی قرار دی ہوگی۔

ماموں کے یہاں آنا

بہرکیف آپ کی جلا وطنی کی علت خواہ کچھ ہی ہو۔ آپ نے غفار کو چھوڑا۔ قریب کے رشتہ داروں میں آپ کے ایک مہربان ماموں نجد کے بالائی علاقہ میں اقامت گزیں تھے۔ وہیں کا ارادہ کیا۔

قطع منازل کے بعد اس قبیلہ میں پہنچے آپ کے ماموں نے جو اپنی بچھڑی ہوئی بہن (یعنی آپ کی والدہ) کو اس غربت کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا۔ جی بھر آیا۔ بھانجوں کی تسلی کی خیمے خالی کر دئے غرض ایک ماموں سے جس ہمدردی کی امید ہو سکتی تھی وہاں آپ کو میسر آئی۔ نہایت چین و اطمینان کے ساتھ رہنے لگے۔ یہاں ان کو اپنے مشغلے سے کوئی روکنے بھی والا نہ تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ تجربوں نے آپ کو سکوت و صبر کی تعلیم بھی دے دی تھی کوئی نیا فتنہ بھی نہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دن اسی طرح آرام و سکون کے ساتھ گزرے۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء ابونعیم صفحہ ۱۲۹ نسخہ خطی کتب خانہ آصفیہ ۱۲

ماموں کے پاس سے روانگی

ماموں نے بھی آپ کی عنصر طیب اور جوہر ذاتی کو پہچان لیا روز بروز ان کی توجہ زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ماموں کے ہاں آنے جانے والے لوگوں کے دل میں رشک کا مادہ پیدا ہوا۔ ان دونوں بھائیوں نے بہت سے حاشیہ نشینوں کی جگہ لے لی۔ ان کے گھر کے کام جو اب تک دو سروں کے ساتھ متعلق تھے۔ ان لوگوں کے سپرد ہوگئے۔ الغرض مختلف اسباب وعلل نے اس مادہ کو تیز کیا۔ یہاں تک کہ رشک نے حسد کی صورت اختیار کی مخالفوں کی ایک جماعت تیار ہوئی جو ان کے خلاف ہوا مکانی کوشش کرنے کی فکر میں مصروف رہتی تھی۔

آپ کے ماموں کبھی کبھی سیر و شکار کی غرض سے گھر سے باہر بھی جایا کرتے تھے۔ مخالفوں نے اس کو غنیمت سمجھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ بعضوں نے مل کر آ کر کہا۔ کہ

> جناب جب آپ باہر جاتے ہیں اور گھر میں کوئی نہیں رہتا تو آپ کے بھانجے (انیس) گھروالوں پر افسری کرتے ہیں اور ہر قسم کی ابتری پھیلا دیتے ہیں' ان کی وجہ سے لوگوں کی ناک میں دم ہے۔

آپ کے ماموں کی عنایات گو آپ کے بھائی پر بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں اور شاید اسی وجہ سے شکایت کا ان پر کوئی غیر معمولی اثر بھی نہ ہوا تاہم وہ آدمی تھے۔ ایک دن موقعہ پا کر انھوں نے پوچھا کہ بھائی انیس ایسا کیوں کرتا ہے۔

اس جملے کا سننا تھا کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپے سے باہر ہو گئے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ فطری طور پر ایک گرم مزاج کے آدمی تھے۔ دوسرے غربت و مسافرت میں انسان کا دل بہت چھوٹا ہو جاتا ہے۔ وہ کسی کی معمولی بات کی بھی تاب نہیں لا سکتا۔ پھر واقعہ بھی سرے سے غلط، اور ممکن ہے کہ انجام کا بھی خیال آیا ہو۔ کہ اگر اسی طرح ہم لوگوں کی شکایتیں ہونے لگیں تو گو ابھی معاملہ زیادہ خطرناک حد تک نہیں پہنچا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ آئندہ ہمیں اپنے ماموں کے گھر سے بے عزت ہو کر نکلنا پڑے۔

بس پھر کیا تھا۔ حسرت بھرے لہجے میں آپ نے اپنے ماموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

آپ نے تمام گزشتہ احسانات کی نہروں کو گدلا کر دیا
بس اس کے بعد ہمارا اجتماع آپ کے ساتھ ممکن نہیں۔
اور اپنے اونٹوں پر لد کر بلا کسی توقف کے روانہ ہوئے۔

بچارے ماموں کو کیا خبر تھی کہ محض اتنی سی بات پوچھنے سے ابوذر کا یہ حال ہوگا وہ تو ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ روکتے تھے۔ تسلیاں دیتے تھے مگر یہاں کون سنتا ہے وہ وقت بھی نہایت دردناک تھا جب ان لوگوں کے اونٹ اس قبیلے سے نکل رہے تھے خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔

فغطیٰ خالنا ثوبہ وجعل یبکی[۱] ماموں اپنے منہ کو کپڑے سے ڈھانک کر روتے جاتے تھے

الغرض بات بگڑ چکی اور آپ کو یہاں سے بھی رخصت ہونا پڑا۔

---

[۱] یہ تمام واقعات صحیح مسلم، طبقات سے ماخوذ ہیں

مکہ کی طرف رخ کرنا مکہ خطۂ عرب کا مشہور شہر تھا۔ اپنے اونٹوں کو اسی طرف پھیر دیا خاص شہر میں تو جانا آپ نے مناسب نہ سمجھا، لیکن اسی کے اردگرد کسی قریب کے گاؤں میں اتر پڑے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ اس پر کچھ دن گزر گئے کہ اسی عرصہ میں آپ کے بھائی انیس کا جو ایک زبردست شاعر تھے کسی دوسرے شاعر[1] سے مقابلہ ہو گیا۔ انیس اپنے اشعار کی تعریف کرتے اور اسے بلند پایہ بتاتے اور دوسرا اپنی شاعری کی مدح سرائی کرتا اور اسے بڑھاتا۔ الغرض اسی نوک جھونک میں شرط کی نوبت آ گئی۔ بات اس پر طے ہوئی کہ جو ہارے وہ اپنے ریوڑ جیتنے والے کے نذر کرے۔ ایک کاہن حکم مقرر ہوا دونوں اس کے پاس حاضر ہوئے[2]۔ خوش قسمتی سے کاہن نے حضرت انیس کے موافق فیصلہ دیا۔ ان کے اشعار کو خصم کے شعروں سے بہتر بتایا حضرت انیس خوش خوش اپنی ریوڑ کے ساتھ اس کے ریوڑ بھی قیام گاہ پر ہنکا لائے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس تائید غیبی پر بہت مسرت ہوئی کہ

دربارِ نبوی تک باریابی کے اسباب یہ وہ زمانہ تھا کہ رافتہ سماوی ملت ابراہیمیہ کے اتمام و احیاء کے لئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت قدسیہ کا انتخاب کر چکی تھی حرا کا واقعہ نزول وحی، بعثت کے حوادث گزر چکے تھے۔ اسلام کی تبلیغ کی آواز عشیرہ

---

[1] یہیں سے قتا فرا نیس جو صحیح مسلم و طبقات کا جملہ ہے، اس کی شرح امام محی الدین نووی کی رائے کے مطابق کی ہے ۱۲

[2] کنز العمال میں حریف مقابل شاعر کا نام درید اور حکم بننے کا ہن کے لکھا ہے۔ کہ عرب کی مشہور شاعرہ خنساء تھی ۱۲

ربذہ میں سے گذر کر ام القریٰ میں گونج چکی تھی۔ گھر گھر اس نئے دین کا چرچا تھا۔ کفاروں میں اسلاف پرستی کے جذبات موجزن تھے۔ بچوں سے بوڑھوں تک اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی تائیدوں میں سرشار ہو رہا تھا۔

راہ گیروں اور مکہ میں آکر بازار کرنے والے اعراب و مسافر بھی کان کھڑے ہو چکے تھے مکہ سے جو باہر جاتا وہ اس خبر کو ہر اپنے شناسا ملنے جلنے والے کو تعجب سے سناتا تھا۔

اسی عرصہ میں مکہ سے کوئی مسافر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑاؤ کی طرف گزرا۔ آرام لینے کے لئے کچھ دیر شاید وہاں ٹھیرا ہوگا بات میں بات پیدا ہوئی۔ معلوم نہیں حضرت ابوذرؓ کے خیالات سے اسے قبل سے واقفیت تھی یا اسی وقت ان کی گفتگو سے اسے معلوم ہوا کہ آپ بھی ایک ہی خدا کے ماننے والوں میں سے ہیں۔ بہر کیف اس نے کہا۔ ابوذر! یہ تم جو کچھ کہتے ہو مکہ کا ایک شخص بجنسہ اسی کا مدعی ہے۔ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہ کلام نازل فرمایا اور اسے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ خدا کا حکم ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی معبود سے کوئی واسطہ نہ رکھو۔ اس نے تو روا روی میں یہ خبر سنائی۔ لیکن ادھر حضرت ابوذر کا دل بلیوں اچھل پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوہر مقصود کی چمک دمک نے ان کے دل و دماغ کو روشن کر دیا۔ سمجھ لیا کہ وقت قریب ہے دل کی بے چینی کی دوا آسمان سے اتر چکی ہے۔

سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے اور نہایت اضطراب کے ساتھ سرچا کہ ناحق

---

۱ طبقات صفحہ ۱۶۲ ج ۴۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرنے لگے۔

کہ ان کا اصلی وطن کہاں ہے۔ کس قبیلے کے آدمی ہیں مکہ کے کس خاندان سے ان کا تعلق ہے۔

راہ گیر نے سارا نشان پتہ بتا دیا کہ وہ مکہ کا باشندہ ہے اور قبیلہ قریش کے ممتاز خاندان کا آدمی ہے[1]۔

اس قدر پوچھ کر آپ چپ ہو گئے۔ دل میں ایک انجذابی کیفیت تھی جو رہ رہ کر ان کو مکہ معظمہ کی طرف گھسیٹ کر لے جانا چاہتی تھی۔ لیکن کچھ اپنے بت پرست بھائی کا خیال کچھ مشرک ماں کی خاطر سے دل میں اس انکار کو دبائے بیٹھے رہے جو تبلیغ کے بعد ہر ایسے دل میں خود بخود بلا کسی دلیل و حجت کے پیدا ہوتا ہے۔ عقیدت و الفت کا ایک دریا تھا جو سوچ اور دل میں جوش زن تھا۔ نہیں سمجھتے تھے کہ کیا ہے اور کیوں ہے۔ مگر تھا اور وہ اس کی ہیجان سے بے کل تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں مگر سب سے ان تو سعادت آپ کی پیشانی چوم چکی تھی آپ کے رشد و ہدایت کا سامان آسمان پر کیا گیا تھا۔ انیس نے یکایک آپ سے آکر کہا "بھائی جان! میں ذرا مکہ جاؤں گا۔ آپ ذرا اونٹوں کی نگہداشت فرمائیے گا۔ ان کے چارہ پانی کا خیال رکھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جلد واپس آتا ہوں[2]"

ایک آواز تھی یا بجلی جس کی رو تمام قویٰ و حواس پر آناً فاناً دوڑ گئی۔

---

[1] طبقات ۱۲، صحیح مسلم ۱۲

[2] بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر نے حضرت انیس کو جانے کا حکم دیا تھا لیکن صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انھوں نے جب ہی میں نے دونوں میں تطبیق دی ہے کہ یہ اجازت کے لئے امر تھا۔ تذکرہ ابتدائی ۱۲

خدا جانے حضرت ابو ذرؓ نے کیا دیکھا سامنے سے کیا چیز تڑپ کر نکل گئی مگر فوراً کچھ سوچ کر آپ یکایک تھم گئے اور خود ساختہ طمانیت و سکون طاری کرتے ہوئے (بعینہٖ اس طرح جب کہ ایک بدنام و ناکام کوچۂ محبوب سے روکا گیا ہو اور آنے جانے والوں سے کسی کی خیریت و صلاح اجنبی انداز کے ساتھ پوچھتا ہے) انیسؓ کو آپ نے اجازت دی اور اصل مقصد کو جس بے خرضانہ اسلوب مگر دل دوز لفظوں میں ادا کیا ہے میں اسے بجنسہٖ بخاری سے نقل کرتا ہوں۔

ارکب الی ھذا الوادی فاعلم	اس وادی (مکہ) کو جاؤ (کوئی مضائقہ نہیں)
لی علم ھذا الرجل الذی	(مگر ہاں) میرے لئے یہ کہتے آؤ کہ وہ جو اپنے کو
یزعم انہ نبی یاتیہ الخبر	نبی خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آسمان سے
من السماء واسمع من قولہ	اس کے پاس خبریں آتی ہیں ذرا اس کی حالت
ثم ائتنی (بخاری)	دریافت کر اسے سنا کر وہ کیا کہتا ہے پھر مجھ کو آ کر

ادھر حضرت انیسؓ تو مکہ روانہ ہوئے۔ ادھر ایک شعلہ اشتیاق تھا جو ان کے رخصت ہوتے ہوئے حضرت ابو ذرؓ کے دل و جگر میں بھڑکنے لگا اور رہ رہ کر اس کی شدت بڑھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ اس تحتی کو آپ اسلام کے بعد بھی نہ بھولے تھے اپنی داستان سناتے ہوئے فرمادیتے

فراث علی[1]	انیس نے بہت دیر لگائی تھی

بہرکیف دیر ہوئی تھی یا نہیں لیکن حضرت ابو ذرؓ پر یہ وقت بہت گراں گزرا اور شاید اس سے زیادہ شکایت کسی تراخی کی انہوں نے کبھی نہیں کی۔

---

[1] طبقات ۱۲

حضرت انیسؓ واپس ہوئے ایک معمولی انداز کے ساتھ ملے اور پھر پوچھا کہ اتنی دیر تم نے کہاں لگائی۔ حضرت انیسؓ نے فرمایا کہ "اسی آدمی سے ملنے میں دیر ہوئی۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو آپ کا ہے اور وہ اچھی عادتوں کی تعلیم دیتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ کو رسول گمان کرتا ہے۔"

حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ اچھا مکہ والے ان کو کیا کہتے ہیں کیسا آدمی سمجھتے ہیں۔ انیسؓ نے کہا کہ اسے کوئی شاعر کہتا ہے اور کوئی کاہن کہتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس موقعہ پر نہایت نشاط و مسرت کے ساتھ اپنے اسلام کی حالت بیان کرتے ہوئے خاص اس مقام پر فرمایا کرتے تھے۔

"انیس حالانکہ ایک اچھا شاعر تھا۔ مگر اس نے یہی کہا کہ صاحب میں نے شعر کے اوزان پر ان کے شعروں کو خوب جانچا۔ شعر تو وہ یقیناً نہیں ہیں۔ رہا کاہن تو میں سیکڑوں کاہنوں سے بھی ملا ہوں ان کی باتیں سنی ہیں لیکن اس شخص کے کلام کو ان کی گفتگو سے کوئی واسطہ نہیں۔ قسم خدا کی وہ سب کے سب جھوٹے ہیں یقیناً وہ سچا ہے وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں بدی سے روکتے ہیں۔"[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا کیا حال ہوا۔ پوچھنے کی ضرورت

---

[1] صحاح و طبقات ۱۲

نہیں، تاہم جب دل گرفتوں کا یہ خیال دہمدم بن جائے تو اس وقت اطمینان کی جو خنکی دلوں میں محسوس ہوتی ہے حضرت ابوذر کے سینہ کو بھی اسی سے معمور سمجھنا چاہئے۔

حضرت انیس کے خیال کے اس انقلاب نے ان کے تمام غم غلط کردیے اور ایک مسرورانہ لہجے میں فرمایا۔

ما شفيتني مما اردت

(بخاری)

(ہم جس مرض کا علاج چاہتے ہیں تم اس کی شفا نہیں لائے اور وہ کہاں سے لاسکتے تھے)

اس کے بعد کہا کہ انیس!

اکفنی اذهب فانظر

(طبقات)

(تم میری جگہ اب گھر ہو جاؤ میں جاتا ہوں تاکہ میں جاکر دیکھوں کہ کون ہے اگر ساری تڑپ اور بے چینی اسی ایک نقطہ کے لئے تھی اور آہ! کہ اس وقت تک کھٹکا رہی ہے)

سفر مکہ: یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس وقت کیا کر رہے تھے لیکن شیراز کے بلبل نے صدیوں کے بعد اس اشتیاق اور بے چینی کی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے جس کا نقل کرنا اس موقعہ پر ناموزوں نہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم — راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم
چوں صبا با دل بیمار و تن بے طاقت — بہوا داری آں سرو خراماں بروم
ورم از وحشت زندان سکندر بگرفت[1] — رخت بربندم و تا ملک سلیماں بروم

[1] سکندر کی اولوالعزمیاں سراسر مادی دنیا کی دیوتاؤں کی تابع تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت محض ملک اللہ کے لئے تھی حافظ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

ذرہ او چو قلم گر بسرم باید رفت | با دل درد کش و دیدۂ گریاں بردم
نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آید روزے | تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بردم
بہ ہواداری او ذرہ صفت رقص کناں | تا لب چشمۂ خورشید درخشاں بردم

آخر وہ ذرہ اڑا جو غفار کے خانوادہ میں چشمۂ خورشید سے ملنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا محمد بن اسمٰعیل بخاری اور محمد بن سعد کاتب الواقدی راوی ہیں کہ اس کی پیٹھ پر ایک چھوٹی سی سیاہ مشک پانی سے بھری لدی ہوئی تھی اور زنبیل میں تھوڑے سے مقل[1] کے دانے تھے تلاش محبوب میں تن تنہا حجاز کے ریگستانوں کو طے کرتے ہوئے وہاں جا رہے تھے جہاں جانے کے بعد پھر انھیں کسی جگہ جانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔

جذبۂ شوق نے منزل کو آسان کیا اور سامنے مکہ کا سواد نظر آیا۔ نہیں بتایا جا سکتا کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے اس سے پہلے بھی کسی افق سے امید کی صبح کو اس طرح طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں۔ آج وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو نہیں ہیں لیکن جگر سوختوں سے اب بھی پوچھ سکتے ہیں جن کے سامنے قبہ خضرا اپنے مسکراتے ہوئے ناصیہ جمال سے یکایک ظاہر ہوتا ہے اور شدت والے تڑپ تڑپ کر کبھی اپنی جانوں کو بھی کھو بیٹھے ہیں فالحیوٰۃ حیوٰتھم والممات مماتھم۔

---

[1] مقل کے عام معنی گوگل کے ہیں جو دوائی اور مجربات میں استعمال کئے جاتے ہیں لیکن اس کے اور معنی بھی ہیں صاحب تاج العروس لکھتے ہیں کہ دوم کے پھل کو بھی کہتے ہیں جو کھجور سے مشابہ ہوتا ہے۔ غیاث نے بیروں کے مشابہ بتایا ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔

اس کی مستی کو مجھ سے نہ پوچھو! کہ میری ایسی قسمتؔ[1] کہاں ہے

---

[1] الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات کہ کسی کی سی رسائی ہوئی قسمت اس تحریر کے چودہ سال کے بعد [illegible] میں بالآخر جاگی۔ جہاز ہی سے خیالات میں تلاطم پیدا ہوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روانگی کے وقت حافظؒ کی غزل یاد آئی تھی ان ہی بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل میں جب وہ سعادت میسر آئی جس کی تعبیر کا خیال کے حاشیہ میں بھی گنجائش نہ تھی تو شکستہ جذبات نے نظم کی صورت اختیار کی تیمنا و تبرکاً شاید یہاں پر ان کا درج کرنا ناموزوں نہ ہوگا

"عرضِ احسن"

ہر ایک سے ٹکرا کر ہر شغل سے گھبرا کر
ہر فعل سے شرما کر ہر کام سے پچھتا کر

آمد بدرت بنگر
اے خاتم پیغمبر

یا ختم للکونین اے سرورِ ہر سرور
اے رہبرِ ہر رہبر اے آنکہ توئی افسر
ہر کہتر و ہر بہتر فی المبدأ والمحشر
اے ہستی تو محور للاکبر والاصغر
اے طلعتِ تو مظہر للاول والآخر
اے رحم جہاں پرور آقائے کرم گستر

آمد بدرت بنگر

امروز چہ بیجانے ناکارہ و نادانے

(باقی آئندہ)

ہاں وہ بتا سکتے ہیں جو "روضۃ من ریاض الجنۃ"[1] کی گل بیزیوں سے وارفتہ ہو کر۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) آزردۂ عصیانے — آغشتۂ دامانے
بازیچۂ شیطانے — از کردہ پشیمانے

آمدہ دست بجگر
نے مونس وے یاورے

نے ساز نہ سامانے — نے علم نہ عرفانے
نے فضل نہ احسانے — نے دین نہ ایمانے
از خانہ و ویرانے — وز کلبۂ احزانے
از مجلس و زندانے — نا شکری و کفرانے

آمدہ دست بجگر
کالحائر و المضطر

با چاک گریبانے — با سینۂ بریانے
با دیدۂ گریانے — با اشک فراوانے
با نالہ و افغانے — با سوزش پنہانے
با دہشت حیرانے — با عقل پریشانے
در صورت عطشانے — چو گدیۂ رہبانے
خواہندۂ قربانے — پروانۂ غفرانے (باقی آئندہ)

---

[1] حدیث میں ہے: ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ — میرے گھر (حجرہ روضۂ مطہرہ) اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

واعظ مکن نصیحت با شوریدگاں کہ ما — با خاک کوئی دوست بفردوس ننگریم

چلائے ہیں۔ آہ! کہ جن کی آخری تمنا۔

(بقیہ سلسلہ گزشتہ)

آمد بدرت بنگر

الاماں والمعتبر

شاہا تو بہ مرحمت گر — بر رحمت خود بنگر

الطاف تو کن آخر — غیر از تو مرا دیگر

مرجع ناظر والناصر — والشافع مستغفر

آمد بدرت بنگر

تو جوشش رحمانی — تو سایۂ یزدانی

تو شاہد ربانی — تو جلوۂ سبحانی

تو جوہر نورانی — تو مرکز احسانی

تو مبدء عرفانی — تو مقصد امکانی

تو مرجع دنیائی — تو جانی و جانانی

ہم دردی و درمانی — تو زبدۂ انسانی

تو نیّر تابانی — تو دُرّۂ صمدانی

تو مہبط قرآنی — تو خاتم دورانی

ہاں! دینی و دنیائی — اے آنکہ تو درمانی

ہر رنج و پریشانی — بنگر کہ سلطانی

(باقی آئندہ)

ے ملتجی۔ تقصیر۔

ے کرتی تقصیر وار گنہگار ہے اور کرتی سفارش کرنے والا۔ اور استغفار کرنے والا [illegible]

ے ان مصرعوں میں حقیقت محمدیہ کے تدریجی تنزل و ظہور کو ایک خاص طرز سے ادا کیا گیا ہے۔

بہر کیف شیفتہ نادیدہ کا مکہ میں داخلہ ہوا اس دیار میں آپ کی کسی سے جان پہچان کب تھی سامنے حرم نظر آیا۔ سیدھے اسی طرف تشریف لے گئے اور ایک بے کس مسافر کی طرح خدا جانے کس کے انتظار میں وہاں کہیں کرنے میں پڑ رہے۔

مکہ مکرمہ کے تیرہ دن

حرم میں قریش کے لوگ عموماً اکثر ہی آتے جاتے رہتے تھے اور ہو سکتا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت جلد کسی سے دریافت کرکے اس آستانے تک پہنچ جاتے جس کے لیے قبیلہ غفار سے کھینچ کر وادی بطحا اور وہاں سے حرم تک لائے گئے لیکن طبع غیور کو گوارا نہ تھا کہ اس احسان کو جس سے زیادہ گرانبار احسان ممکن نہیں بت پرستوں کے وسیلے سے سر پر رکھا جائے۔ بخاری میں ہے۔

فالتمس النبي صلى الله عليه وسلم وكره ان يسأل عنه۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ڈھونڈھا کرتے تھے اور ناپسند کرتے تھے کہ کسی سے پوچھیں۔

آپ کو یقین تھا کہ وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتے، نگاہیں تاڑیں گی دل پہچانے گا۔ اسی تلاش میں دن گزرتے جاتے تھے لیکن کوئی پروا نہیں حتی کہ منقل کے دانے جو کچھ ساتھ تھے وہ بھی ان کے پاس نہیں رہے زنبیل خالی تھی۔ گرہ میں دھیلا تک نہیں تھا۔ بھوک نے حضرت ابوذر کو بے چین

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) چودھویں صدی مسلمانوں کی مصیبتوں کی شاید آخری صدی ہے نہ ایسی مصیبت اس سے پہلے آئی اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس کی توقع ہے خیر خود اپنے گھر کے لوگ اسلام اور شعائر اسلام کے ہدم و بربادی میں دنیائے اسلام کے ہر گوشہ میں منہمک نظر آتے ہیں۔ درد کی یہی داستان تھی جسے لیکر گیلانی کا فقیر دنیا کی سب سے بڑی ڈیوڑھی کے آگے حاضر ہوا تھا۔ عرض کیا گیا تھا۔

کر دیا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ استقلال کے پاؤں اس وقت ڈگمگا جاتے۔ آپ کی آن ٹوٹ جاتی، لیکن یہ سرمستی ایسی نہ تھی جو بھوک کی ترشی سے اتر جاتی۔ آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اٹھتے اور زمزم کے چند چلوؤں سے تھوڑی دیر کے لئے اس بھوک کو بجھا دیتے پھر اگر ستاتی تو اس سے زیادہ جواب آپ کی طرف سے نہیں دیا گیا۔ ۳۰ دن کے عرصے میں اس اندرونی حملے کو کبھی نہیں دیا گیا[1] کمر ذرا دل کھینچا اور چند گھونٹ حلق کے پار کر لئے گئے اور بس۔

غرض کہ اسی طرح جب صبح کا آفتاب طلوع ہوتا تھا تو حضرت ابوذر کی نگاہیں اس کی روشنی میں صرف اسی آفتاب کو تلاش کرتی تھیں۔ جس سے روحوں کی رات دن ہوتی تھی اور رات ہوتی تو اس کی اندھیریوں میں بھی آپ کی نظریں اسی تارے کو ڈھونڈتیں جس نے دنیا کے سیکڑوں بھٹکے ہوئے قافلوں کو سیدھی پگڈنڈی پر ہمیشہ کے لئے لگا دیا۔ انتظار تھا جو ختم نہیں ہو رہا تھا۔ فراق تھا جس کی جگر سوزی آناً فاناً بڑھ رہی تھی۔ بڑھتی چلی ہی جا رہی تھی۔

قریش کا ظالمانہ برتاؤ

ایک دن اسی درمیان میں آپ کو خیال گزرا کہ جس کو ڈھونڈتا ہوں اگر وہ نہیں ملتے تو چلو! اس کے کسی غلام ہی سے پتہ پوچھیں غیرت کا تقاضہ اگر ہے تو صرف کفار دوں تک محدود ہے۔ لیکن اگر ان کی جماعت کا کوئی آدمی مل جائے تو اس سے پوچھنے میں کیا مضائقہ؟

غرض یہ سوچ کر تاک میں لگے رہے۔ اتفاق سے ایک مجہول الحال شکستہ آدمی حرم میں داخل ہوا۔ چوں کہ فلاکت زدہ تھا سراغ قریش نے شاید

---

[1] مسلم و طبقات

اس کی طرف سے بے التفاتی برتی ہو گی۔

آپ نے قیاس کیا کہ اس جماعت کا جو حال بیان کیا جاتا ہے وہ اس شخص سے بہت مطابق ہے۔ اسی سے دریافت کرنا چاہیئے۔ قریب پہنچے اور پوچھا۔

این ھذا الذی تدعونہ الصابی	جس کو تم لوگ صابی کہتے ہو کہاں رہتا ہے۔

لیکن درحقیقت آپ کو دھوکہ ہوا وہ واقع میں کفار کے گروہ کا آدمی تھا۔ اس وحشت ناک سوال کے سنتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا، بلکہ یقین ہو گیا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت کا آدمی ہے جواب تو کیا دیتا یکایک اس نے چیخ ماری۔

ھذا الصابی	ارے یہ صابی ہے

قریش اس وقت مسلمانوں کی طرف سے بھرے ہوئے تھے، ہر شخص گوش برآواز رہتا تھا اس کی آواز بجلی بن کر کانوں میں کوندی۔ پھر جو کچھ ہوا وہ حضرت ابوذرؓ ہی کے زبانی سنئے۔

فمال اھل الوادی بکل مدرۃ وعظم فخررت مغشیا علیّ (طبقات صحیح مسلم)	ڈھیلے ہڈیاں آ تھائے مکہ والے مجھ پر ٹوٹ پڑے (اور اس قدر مارا) کہ میں چکرا کر گر پڑا۔

محبت کی اس امتحان گاہ میں غفار کا ایک رئیس و بہادر سردار بعد مظلومی و بیکسی خدا کے سامنے حرم میں بت پوجنے والوں کی لاتوں سے روندا جا رہا تھا لیکن عشق کے فرشتے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو تھامے ہوئے تھے، ہوش آیا۔ خدا جانے کس وقت آیا اور کتنے مظالم کے بعد آیا۔

مگر جب آیا تو آشفتہ سری بحال تھی۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اور زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ خود فرماتے تھے اور نہایت شگفتگی سے فرماتے ہیں ۔

فارتفعت حین ارتفعت — پھر میں اٹھا جس وقت اٹھا گویا میں
کانی نصب احمر فاتیت — ایک سرخ بت تھا (یعنی خون میں نہائے ہوئے
زمزم فشربت ماءھا و — تھے) اسی وقت زمزم پر آیا پانی پیا اور
غسلت عنی الدماء (بخاری) | خون دھویا۔

بدن سے خون نکل رہا ہے۔ کپڑے لہو میں لت پت ہو گئے ہیں لیکن نہ کسی کی شکایت ہے اور نہ گلہ۔ نہایت اطمینان سے زمزم پر آئے پانی پیا۔ خون دھویا۔ ارادہ کی مضبوطی میں کوئی تغیر نہیں کہ اُن کا خیال ہی اور تھا۔

حافظ چو رہ بکنگرۂ کاخ وصل نیست — با خاک آستانہ ایں در بسر بریم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

وضعداری کا ایک وہ زمانہ تھا کہ ماموں کی معمولی سی شکایت پر آپ نے ہمیشہ کے لئے اُن سے قطع تعلق کر لیا اور آج محبت کی کرشمہ سازیوں کا نظارہ اسی آسمان کے نیچے کیجئے کہ پتھر مارے جاتے ہیں، ہڈیاں پڑتی ہیں، لہو بہتا ہے، دھکے دئے جاتے ہیں، لیکن پاؤں نہیں ہلتا۔ حرم کے دروازے سے "پندارم توئی" کی امید میں نگاہ، اٹھا نہیں ہٹتی احساس تک نہیں، کیا ہوا اور کیا گذری ۔

اولئک یجزون الغرفة | یہی لوگ ہیں جن کو "غرفہ" کے ساتھ
بما صبروا ویلقون فیھا | (جنت میں) بدلہ دیا جائے گا اور یہ
تحیة وسلاما | پائیں گے سلام و تحیۃ ۔

کہا جاتا ہے کہ مجاہدات کی کوئی اصل نہیں، حتیٰ کہ میں نے بعض سے
یہ بھی سنا کہ صلوٰۃ خمسہ میں خشوع و خضوع کی بھی ضرورت نہیں اور دلیل
بیان کی جاتی ہے کہ صحابہ سے یہ باتیں منقول نہیں۔

حالانکہ اولاً یہ سراسر غلط ہے۔ آثار و حدیث سے ہم قطع نظر بھی
کرلیں تو قرآن کی یہ آیتیں

والذین یبیتون لربھم سجدا و قیاما۔

جو لوگ سجدے اور کھڑے رات گزارتے ہیں اپنے پروردگار کے لئے۔

کس کا حق ہے اگر صحابہ اس کے مصداق نہیں تھے تو اور کون دعویٰ کرسکتا
ہے یا مثلاً۔

انھم کانوا قبل ذلک محسنین کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون وفی اموالھم حق للسائل والمحروم۔

اس سے پہلے یہ اپنے اعمال کو خوبصورت بنانے والے تھے، بہت تھوڑی رات سویا کرتے تھے اور پچھلے کو گناہوں کی بخشش طلب کیا کرتے تھے، ان کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کے حق تھے۔

* والذین جاھدوا فینا کے مجاہدہ کی یہ تفصیل الٰہی نہیں
تو اور کیا ہے۔ صحیح ہے کہ بلا خشوع کے بھی نماز کا بوجھ گردن سے ٹل جاتا ہے
لیکن کس نے کہا کہ آخرت کی مصیبت بھی ایسی نمازوں سے ٹلنے والی ہے۔
حالانکہ عذاب دینے والا تو فرماتا ہے۔

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون

کامیاب ہوئے وہ مومنین جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔

تو کیا اس فلاح کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نہیں ڈھونڈتے تھے

اور بالفرض اگر مان بھی لیا جائے (حالانکہ نہیں مانا جا سکتا) کہ صحابہ میں مجاہدات کا رواج نہ تھا تو حق یہ ہے کہ جن سربازوں نے اسلام سے پہلے ہی اپنے آپ کو اس طرح مٹا دیا تھا جس کی ایک ادنیٰ نظیر یہی واقعہ ہے اور ابھی حضرت ابوذر کی سوانح میں آنے والے ہیں ان کے لئے کسی دوسرے "مجاہدہ" و "ریاضت" کی شاید ضرورت بھی نہ تھی۔

لیکن جو ابتدائے اسلام سے اس وقت تک "سبیل اللہ" کے کسی شعبہ میں آزمایا نہیں گیا۔ کیونکر ان دعووں کو زبان تک لا سکتا ہے جس کو میں سنتا ہوں اور ان کی عقل پر عقیدۃً اور اپنی عقل پر عملاً ہنستا ہوں۔

بہرحال تیس دن کی اس طویل مدت میں علاوہ اس واقعہ کے اور کیا کیا حوادث وقوع پذیر ہوئے مجھے اس کی تفصیل زیادہ نہ معلوم ہو سکی اور جو کچھ ہیں بھی ان میں ظاہرا سخت تعارض ہے حتیٰ کہ علامہ قرطبی کو مجبور ہو کر لکھنا پڑا۔

وفی التطبیق بین الروایتین تکلف شدید لہ	دونوں روایتوں میں تطبیق دینے میں سخت تکلف ہے

حافظ ابن حجر کے مشورہ سے ان روایات کے تتبع سے جس نتیجہ تک میں پہنچا ہوں بہ ترتیب ذیل اسے درج کرتا ہوں۔

پہلا واقعہ

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے اس حادثہ کے بعد بھی حرم محترم کو نہیں چھوڑا۔ جو دھن تھی بندھی رہی ایسا معلوم ہوتا ہے انھیں دونوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادھر گزر ہوا۔ اگرچہ آپ کی عمر بہت تھوڑی تھی لیکن قسمت کی بہتری میں اس وقت بھی کیا کلام

لہ فتح الباری جزء ۲۵ مطبوعہ انصاری ص[illegible] ۱۲

ہو سکتا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک طرف ایک شکستہ حال مسافر پڑا ہوا ہے آپ کو رحم آیا قریب آ کر دریافت فرمایا۔

ممن الرجل | کہاں کے آدمی ہو

حضرت ابوذر نے کہا۔

من غفار | قبیلہ غفار سے ہوں۔

فرمایا کہ

قم الی منزلک | اپنی فرودگاہ کو تشریف لے چلیں۔

مقصود یہ تھا کہ میرے گھر چلیں۔ مسجد میں تکلیف ہوگی۔

حضرت ابوذر چونکہ دھوکا اٹھا چکے تھے اظہار مدعا نا مناسب نہ جانا۔ اٹھے اور چپ چاپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ گھر تک پہنچے خود فرماتے ہیں کہ نہ انھوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے کہا۔

صبح ہوئی اور سیدھے حرم پہنچے اپنی زنبیل اور مشک رکھ کر کوچہ و بازار میں شام تک مصروف جستجو رہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مغرب کے بعد پھر حضرت مرتضیٰ علیہ السلام پھر تشریف لائے دیکھا کہ مسافر اب تک موجود ہے آپ نے پھر فرمایا۔

اما آن للرجل ان یعرف منزلہ | کیا آدمی کیلئے اپنی فرودگاہ تک جانے کا وقت نہیں آیا؟

آپ اُٹھے اور بغیر اسی خاموشی کے ساتھ آج کی رات بھی گزر گئی ایک دوسرے کو کیا معلوم کہ دونوں ایک ہی فتراک کے نخچیر ہیں۔

حضرت ابوذر پھر صبح ہوتے ہی حرم میں آ دھمکے اور دن بھر گھومتے رہے لیکن قسمت چلا رہی تھی، جا اور وہیں حرم میں بیٹھ دیکھ! کہ پھر کیا ہوتا ہے۔"

دوسرا واقعہ یا دولت بیدار

قیاس کا مقتضیٰ ہے کہ آج کسی خاص ضرورت سے حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کو حرم کی طرف آنے کی فرصت نہ دی۔ حضرت ابوذرؓ نے انتظار کیا ہوگا لیکن جب مایوس ہوئے تو وہیں کہیں پڑ رہے سونے کے ارادے سے لیٹے مگر نیند نہیں آتی تھی بےچین آج زیادہ تھے حتیٰ کہ جب رات بھیگ گئی اور شہر میں سناٹا ہوگیا لوگ سو پڑ رہے۔ اس وقت رحمت سماوی جھکی اور حضرت ابوذرؓ کے ٹوٹے ہوئے دل کو جو دائع میں نہیں ٹوٹا تھا اس نے اپنے آغوش میں اٹھا لیا۔ مسافروں کے ہنگامہ آوریکا بچوں کی نادروزاری نے جس مبتدار کو غفار کی سڑک پر پیدا کرکے حضرت ابوذرؓ کی تمام تر غارتگریاں کو کاروانوں سے پھیر کر خود ان کی آسائش و لذائذ درمان اور حوصلوں کے قافلوں کی طرف متوجہ کر دیا تھا خدا جانے کتنی دراز مدت کے بعد اس کی تعبیر آج نکلی ہے۔ اس رات کے منظر کو خود آپ ہی کی زبانی سننا چاہئے۔ فرماتے ہیں۔

فبينا اهل مكة في ليلة قمراء اضحيان اذ ضرب الله على اصمختهم فما يطوف بالبيت احد منهم غير امرأتين (صحیح مسلم و طبقات)	چاندنی رات خوب روشن تھی کہ ٹھیک جب اللہ تعالیٰ نے (مکہ والوں کو) تھپکیاں دے کر سلا دیا (سناٹا ہوگیا تھا) حتیٰ کہ بیت اللہ کے طواف کرنے والوں میں اس وقت دو عورتوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

یہ عورتیں کعبے کے گرد گھوم گھوم کر "اساف و نائلہ"[1] سے کچھ مانگ رہی تھیں خدا جانے

[1] "اساف و نائلہ" جاہلیت کے دو مشہور بت ہیں۔ مشہور تھا کہ دراصل یہ دونوں پہلے آدمی تھے، اساف مرد تھا اور نائلہ عورت تھی دونوں قبیلہ جرہم سے تعلق رکھتے تھے۔ (باقی آئندہ)

حضرت ابوذرؓ کو کیا سوجھی کہ جس کہنے میں پڑے ہوئے تھے وہیں سے آواز دی کہ
[انکحوا احدھما الاخر] ایک کا دوسرے سے نکاح کر دو
مقصد یہ تھا کہ ارے ان بتوں سے کیا مانگتی ہو۔ یہ تو تم لوگوں کے
وہ خود فراق میں تڑپ رہے ہیں۔ ہاں اگر دونوں کا بیاہ کر دو گی تو ممکن ہے
کہ تمہاری سنیں۔

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) یمن ان کا وطن تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اساف نائلہ کے حسن پر فریفتہ ہو گیا
نائلہ نے بھی جب اس کے حسن و جمال کو دیکھا تو دل دے بیٹھی۔ صورت حال دونوں کو
یمن میں ملنے سے مانع تھی۔ آخر کہ سفر حج کے حیلے سے آئے۔ جاہل عربوں کا عقیدہ تھا کہ
ایک دن دونوں کو حرم میں تنہائی مل گئی اور دونوں امر شنیع کے مرتکب ہوئے اس پر
خدا کا غضب نازل ہوا دونوں پتھر کے ہو گئے۔ عبرت کے لئے لوگوں نے ایک کو صفا پہاڑ
پر اور دوسرے کو مروہ پہاڑ پر رکھ دیا تھا۔ عمرو بن لحی خزاعی نے جب عرب میں
بت پرستی پھیلائی تو خاص کر ان دونوں کو اس نے بہت اہمیت دی۔ قصی نے اپنے
زمانہ میں ان کو پہاڑوں سے اتار کر ایک کو کعبے سے لگا دیا اور دوسرے کو چاہ زمزم
پر نصب کر دیا تھا۔ زمانے سے عرب جاہل ان کی پرستش کرتے تھے آخر سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان سے خدا کے گھر کو پاک کیا۔ ممکن ہے کہ عربوں کے
اس بیہودہ فسانہ پر تعجب ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ بت پرستوں کے ہاں یہ باتیں عام ہیں
ہندوؤں میں بھی اس قسم کے قصے اکثر پائے جاتے ہیں مثلاً رامائن میں اہلیا اور اندر کا قصہ
قریب قریب اسی کے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گوتم رشی بڑا عالم تھا اس سے اندر دیوتا وید
پڑھنے آتا تھا اس کی بیوی اہلیا کو دیکھ کر عاشق ہو گیا۔ گوتم نہانے گیا تھا کہ اندر نے اس سے بدفعلی کی
گوتم نے آ کر دیکھا تو بد دعا دی۔ اندر کے جسم میں ہزار بھگ (علامات تانیث) پیدا ہو گئی اور اہلیا پتھر کی ہو گئی۔ ۱۲

اس طنز آمیز آواز کو خاص کعبہ سے سن کر عورتیں رکیں اور چونکیں مگر "یا اساف یا نائلہ" کی آواز بلند ہوتی ہی رہی آخر جب طواف کرتے کرتے حضرت ابوذر کے قریب پہنچیں آپ نے فوراً اپنی آنکھیں بند کرلیں اور انھیں سویا ہوا دیکھ کر اور کچھ اس ڈر سے بھی کہ مرد ہے اگر چھیڑتی ہوں تو ممکن ہے کہ بری طرح خبر لے صرف گالیاں دیتیں اور

لو کان ھھنا من انفارنا احد۔ | کاش ہماری جماعت کا کوئی آدمی یہاں ہوتا تو اس کی خبر لیتا۔

بڑبڑاتی ہوئی روانہ ہوگئیں دونوں آپس میں یہی ذکر کرتی ہوئیں ایک پہاڑی پر چڑھیں اس سے اتر رہی تھیں کہ سامنے سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم کی طرف تشریف لا رہے تھے۔ یہ عورتیں کسی کو نہیں پہچانتی تھیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش اقدس تک ان کی گفتگو کے چند سخت الفاظ پہنچ چکے تھے آپ نے بڑھ کر دریافت فرمایا

ما لکما۔ | تم دونوں کا کیا حال ہے (کیا واقعہ ہوا)

کیا کہوں صابی[1] کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان پڑا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا پھر اس نے کیا کہا۔

کیا کہا زبان تک لانے کی بات ہے۔ بس بڑی بات بک رہا تھا۔

اس گفتگو کے بعد وہ تو گھر کی طرف روانہ ہوئیں۔ آپ اور حضرت صدیق دونوں کعبہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔

---

[1] کفار قریش مسلمانوں کو اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہا کرتے تھے یعنی دین حق سے پھرا ہوا۔ ۱۲

حضرت ابوذرؓ کی نیند عورتوں کی اس ظرافت سے اور بھی اُچٹ گئی تھی چپ چاپ ایک گوشے میں منتظر تھے کہ دیکھیں یہ عورتیں کیا گل کھلاتی ہیں کہ یکایک سامنے سے دو جسم متحرک نظر آئے۔

حضرت ابوذرؓ کی نگاہ جم گئی پھر مجھے معلوم نہیں کہ کب تک جمی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف بھی کیا۔ حجر اسود کو بوسے بھی دئیے۔ نمازیں بھی پڑھیں۔ لیکن کچھ خبر نہیں کہ اس وقت ابوذرؓ کی ششدر و حیران آنکھوں نے کیا دیکھا، دماغ نے کیا سمجھا البتہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو نیاز عقیدت کا ایک پیکر مجسم سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

السلام علیکم یا رسول اللہ۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ فرما کر پوچھا۔

ممن انت	تم کس قبیلے کے آدمی ہو

حضرت ابوذر

من غفار	یعنی قبیلہ غفار سے ہوں

یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پکڑ لیا۔

راویں مختلف ہیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس انتساب کو ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ خود حضرت ابوذرؓ سے اس کی شرح میں مروی ہے۔

قلت فی نفسی کرہ ان انتسبت الی غفار (مسلم)	میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید غفار کی طرف میرے انتساب کو آپ نے ناپسند فرمایا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ سن کر متعجب ہوئے اور

یہ عمل محض اظہار تعجب کے لیے تھا۔ طبقات کی ایک دوسری روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

تعجب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھم یقطعون الطریق فجعل النبی صلعم یرفع بصرہ فیہ ویصوبہ تعجبا من ذالک لما کان یعلم منھم (صفحہ ۱۶۲ ج ۴)

آپ کو تعجب ہوا کہ غفار تو راہزنی کرتے ہیں ان میں ایسا شخص کیونکر پیدا ہو سکتا ہے اس کے بعد آپ نے بہ تعجب ہو کر اپنی نگاہ ان پر ڈالی اور کبھی جھک کر دیکھنے لگے کیونکہ غفاریوں کے حالات سے واقف تھے

اس صورت میں جملہ

فاھوی بیدہ الی جبھتہ

دست مبارک کو اپنی پیشانی پر رکھ کر

سے مقصود یہ ہوگا کہ آپ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے بغور ان کو دیکھنے لگے "واللہ اعلم" ایک صاحب ذوق کا خیال ہے کہ حضرت نے نظر اول ہی میں آپ کو پہچان لیا تھا لیکن حسرت کی نگاہ سے دیکھا کہ ابھی مراحل سلوک میں اس غفاری قزاق کو شب ہجر کا ایک بے ستون کاٹنا اور بھی باقی ہے" واللہ اعلم اور کچھ یہ بھی ہوا ابھی کہ اس بات میں "اسلام" و "ایمان" کا کوئی ذکر نہیں آیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصداً یہ معاملہ ٹال دیا گیا۔ طبقات میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے کہ دست مبارک پر کلمہ پڑھیں لیکن حضرت صدیقؓ نے ان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا خود ان کا بیان ہے۔

ــہ طبقات میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا ان اللہ یھدی من یشاء خدا جس کو چاہے ہدایت کرے۔

فذهبت اخذ بيده فمنعنى صاحبه وكان اعلم به منى - (صفحہ ۵۲) — میں چلا کہ حضور کا دست مبارک پکڑ لوں لیکن ان کے ساتھی نے مجھے روک لیا۔ وہ بہ نسبت میرے حضور کی حیثیت سے زیادہ واقف تھے۔

بادی النظر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ ابھی تک ان سے مطمئن نہ تھے اس لئے ایسا کیا۔ لیکن کسی اور پہلو کو پیش نظر رکھ کر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے ایسا کیا گیا کہ یہ منازل کی ایک سیڑھی یہ بھی تھی تو کیا مضائقہ ہے

حضرت ابوبکرؓ کی ضیافت

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا، تم یہاں کب سے ہو؟ آپ نے فرمایا تقریباً تیس راتیں یہاں گزر گئیں حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ تمہیں کھلاتا کون تھا۔

چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں صرف سونے کے لئے کچھ رات گزرتے ہوئے دو دن سے جایا کرتے تھے اور آپس میں کسی قسم کی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں کھانے کی مہمان داری نہیں ہوئی تھی بہرکیف حضرت ابوذر نے جواب میں فرمایا کہ ایک زمانہ سے میری گزر صرف زمزم کے پانی پر ہے اور اس پانی کی ایک عجیب خاصیت بیان کی فرماتے ہیں۔

---

[1] صاحب دل کا خیال ہے کہ یہ کیوں نہیں پوچھا کہ یہاں کس لئے آئے ہو۔ یہ پوچھا کب سے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد کو اس وقت درمیان میں لانا ہی منظور نہیں ع

ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

فعمنت حتی تکسرت عکن بطنی فما وجدت علی کبدی سخفۃ جوع۔ (مسلم) | میں موٹا ہو گیا حتیٰ کہ پیٹ کی شکن ٹوٹ گئی (زیادہ فربہی میں ایسا ہو جاتا ہے) حتیٰ کہ اپنے جگر پر بھوک کا ضعف کبھی نہیں پایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا۔

انھا مبارکۃ انھا طعام طعم | اس میں برکت دی گئی ہے اور سیر کرنے والی غذا ہے

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "مجھے اجازت دیجئے کہ میں آج کی رات انہیں اپنا مہمان بناؤں" آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ان کو ساتھ لئے ہوئے گھر لائے دروازہ کھولا۔ اور طائف کی کچھ کشمشیں ان کے حوالے کیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا کھانا تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں مجھے نصیب ہوا۔[1]

اسلام لانا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبح ہوتے ہی پھر حرم میں آگئے (ر) جب رات ہوئی تو آج حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ لے کر گھر پہنچے مگر یہ اسی طرح ساکت و صامت رہے آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا اور فرمایا۔

ما الذی اقدمک | آخر تم کو کیا چیز یہاں لائی کس غرض سے آئے ہو

گزشتہ رات باوجود اور سب کچھ ہو جانے کے چونکہ ان کے لئے کچھ نہیں ہوا تھا اس لئے دل بھرا ہوا تھا! پیمانہ صبر چھلک پڑا! بولے کہ اگر عہد کرتے ہو تو میں بتاؤں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عہد کیا[2] آپ نے کہا "اگر تم میری رہنمائی کر سکو" جب کہوں گا" انھوں نے حتی الوسع اس کا بھی وعدہ کیا

---

[1] صحیح مسلم ۱۲ [2] از بخاری ۱۲

آپ نے فرمایا "کہ میں نے سنا تھا کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ یہ سن کر میں نے اپنے بھائی کو دریافت حال کے لئے بھیجا، لیکن اس نے کچھ تشفی بخش خبر مجھے نہیں سنائی۔ آخر میں خود اس شخص سے ملنے کے لئے آیا ہوں"[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باچھیں کھل گئیں۔ خدا جانے کیا[2] کیا کہا۔ تاہم بخاری میں اس قدر موجود ہے۔

قال فانہ حق وھو رسول اللہ	یہ بالکل سچا ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں جب
فاذا اصبحت فاتبعنی فانی	صبح ہو تو تم میرے ساتھ چلو، راستے میں اگر
ان رایت شیئاً اخاف علیک	ایسا واقعہ نظر آئے گا جس سے تمہاری بابت خوف ہو
قمت کانی اریق الماء فان	تو میں یہ ظاہر کروں گا کہ میں پانی بہا رہا ہوں
مضیت فاتبعنی حتی تدخل	تو اپنے گھر جاؤں اگر میں آگے بڑھوں تو تم پیچھا کرتے
مدخلی۔ (بخاری)	رہنا، یہاں تک کہ جہاں میں داخل ہوں تم بھی وہاں آجانا۔

صبح ہوئی دونوں ساتھ چلے، آگے آگے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پیچھے پیچھے ان کے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس آستانے کی طرف جارہے تھے جس کی غلامی کا تب ازل نے ان کی پیشانی میں لکھ دی تھی۔ راستہ میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ حتیٰ کہ وہ دروازہ سامنے آگیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں داخل ہوگئے[3]۔ ایک چبوترے پر سرور کائنات[4]

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۶۱ ج ۴، ۱۲

[2] طبقات کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رشتہ عقیدت کو ظاہر کیا ۱۲

[3] بخاری ۱۲ [4] طبقات ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طلعت قدوسی پر ایک چادر ڈالے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے اشارہ کیا آپ بتایا نہ دوڑ پڑے اور سلام عرض کیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی فرمایا وعلیکم السلام حضرت ابوذرؓ رات کے واقعہ سے متاثر ہو چکے تھے۔ جانتے تھے کہ کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے قبل اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ فرمائیں آپ نے فرمایا "کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ مجھے سناتے اپنے فرمائیں نہیں کہتا" خدا فرماتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تو وہی سنائیے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ایک سورۃ (نام پتہ معلوم نہ ہو سکی) تلاوت فرمائی۔ ادھر سورۃ ختم ہوئی ادھر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ

کے ساتھ ایک چیخ ماری اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ نہ دلیل تھی نہ حجت صرف حضرت ابوذرؓ کی شکوک سے بھرے سینہ میں ایک قندیل تھی جس کے اندر ایک سادی روشنی بھرا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ بھبھک اٹھے آخر بھڑکا کہ پھر کبھی نہ بجھا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے اندر جن کی تعداد کرہ زمین پر کل چھ تھی ایک کا اور اضافہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اسلام کی خوشخبری دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو غور کیا تو پہچان کر فرمایا۔

الیس ضیفی بالامس ؛ کیا وہی شخص نہیں ہے جو کل میرے مہمان تھے

لہ طبقات ۲۰ ۔ لہ طبقات ۱۲

اور چمک کر فرمایا۔

انطلق معی	میرے ساتھ چلئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں قیام کا زمانہ

ایک زمانہ گزر چکا تھا کہ حضرت ابوذرؓ نے اپنا گھر چھوڑا تھا کپڑے بالکل میلے ہوگئے تھے اس وقت حضرت صدیقؓ نے دو کپڑے رنگین و خوبصورت نکال کر دئے۔ آپ نے غسل کیا کپڑے بدلے اور جب تک مکہ معظمہ میں آپ کا قیام رہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر مقیم رہے۔ آثار و روایات میں اس کی تصریح تو نہیں ملی کہ آپ کب تک حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت خانہ پر فروکش رہے۔ لیکن قرائن اور بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اس عرصہ میں مکہ والوں سے آپ کی ملاقات ہو چکی تھی۔ لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ آپ قبیلہ غفار کے کوئی ممتاز آدمی ہیں مثلاً ایک واقعہ بھی ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حالانکہ اس زمانہ میں مشرف با سلام نہ تھے) آپ کو جانتے تھے کفار کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا۔

الستم تعلمون انہ من غفار	کیا تم نہیں جانتے ہو کہ وہ قبیلہ غفار کا آدمی
طریق تجارکم الی الشام	ہے جو تمہارے شام کے تاجروں کا راستہ ہے

بہرکیف اگر تمام قریش سے آپ کی شناسائی نہیں ہوئی تھی تو خاندان عبدالمطلب میں لوگ آپ کو ضرور جاننے لگے تھے۔ آپ کے زیادہ شہرت کی وجہ میرے نزدیک دراصل وہ واقعہ ہے جس کے راوی صرف محمد بن سعد صاحب طبقات ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے غفاری ہونے کا علم حضرت عباسؓ کو بھی

اسی کے بعد ہوا ہو۔ وہ راوی ہیں کہ جن ایام میں حضرت ابوذر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہمان تھے اسی زمانہ
میں آپ سیر کرتے ہوئے حرم میں آئے دیکھا کہ پھر ایک عورت
طواف کر رہی ہے اور گھوم گھوم کر نہایت فصاحت و بلاغت
و عاجزی و خاکساری کے ساتھ دعائیں کر رہی ہے (ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ دعا ابھی تک مبہم تھی۔ اس کا پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس کو مخاطب
کرکے مانگ رہی ہے حرم چونکہ بیت اللہ تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے سمجھا ہوگا کہ خدا کو پکار رہی ہے اور اس پر خوش ہوتے
ہوں گے لیکن جب ختم کر چکی تو اس کے بعد پھر وہی۔

یا اساف ویا نائلہ | اے اساف اے نائلہ

چیخنے لگی۔ آپ سنتے ہی جھنجلا اُٹھے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے وہی جملہ

انکحی احدھما صاحبہ | ایک کا دوسرے سے نکاح کردے۔

نکل پڑا۔ چونکہ دن کا وقت تھا۔ عورت بلا خوف و خطر شور مچاتی ہوئی
آپ کے ساتھ لپٹ پڑی اور چلانا شروع کیا۔

انت صابی | تو صابی ہے

کفار قریش کی ایک جماعت وہیں موجود تھی انت صابی کی آواز سنتے ہی
حسب عادت دوڑ پڑے اور جس طرح پہلے مارا تھا مارنا شروع کیا۔
اتفاق سے بنی بکر کے قبیلہ میں اس کی خبر پہنچی کہ قریش ایک بیکس مسافر
کو بری طرح مار رہے ہیں۔ چونکہ ان دونوں قبیلوں میں ایک زمانے سے
رقیبانہ تعلق تھا فوراً کچھ جوان آئے، حرم پہنچے اور نہایت حقارت
کے ساتھ قریش کو ڈانٹا کہ واہ! تمہارے قبیلے میں جو "صابی" ہیں ان کو

نہیں مارتے ایک بیچارہ مسافر آگیا بس سارا ترلہ اسی کی طرف رجوع ہوگیا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا یہ کہتے ہوئے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان ظالموں سے نجات دلائی۔ آپ اسی صورت و حالت کے ساتھ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور فرمایا۔

یا رسول اللہ اما قریش فلا ادعھم حتی اثار منھم ضربونی۔

یا رسول اللہ قریش سے جب تک بدلہ نہیں لوں گا انہیں نہیں چھوڑ سکتا انہوں نے مجھے مارا ہے۔

اسلام کی دعوت پر فرازی

مکہ معظمہ میں اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد پانچ تھی جن میں پانچویں حضرت ابوذر تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رب آپ کی بہادری، شجاعت، مردانہ ہمت کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے اسی وقت خیال گزرا کہ جس کام "تبلیغ" کا ارادہ کیا گیا ہے اس کا وقت آپہنچا ہے اسی کے بعد سب سے پہلے پہل اسلام میں جس عامہ پر اس جلیل عہدہ کا طرہ نصب کیا گیا وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بندھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

انی وجھت الی ارض ذات نخل ولا احسبھا الا یثرب فھل انت مبلغ عنی قومک عسی اللہ ان ینفعھم بک

میں کھجوروں والی زمین کی طرف متوجہ کیا گیا ہوں اور میں اسے مدینہ کے علاوہ اور کسی شہر کو خیال نہیں کرتا تو کیا تم اپنی قوم کو میری تبلیغ کر سکتے ہو ممکن ہے انہیں خدا تم سے نفع پہنچا

وبا جـرٰ لک فیھـم۔ | اور تمہیں اجر دے

جس آستانے پر اتنی تگ و دو کے بعد پہنچے تھے انصاف کر سکتے ہو کہ اس کی دوری ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا ہو سکتی تھی لیکن کیا کرتے جب کہ فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی آخر یہی ہوا کہ آپ دعوت و تبلیغ کے لئے آمادہ ہو گئے لیکن پھر بھی دبی ہوئی زبان سے فرمایا۔

انی منصرف الی اھلی وناظر | اور چاہتا ہوں اپنے گھر جاتا ہوں مگر انتظار کرتا ہوں گا
متی یومر بالقتال فالحق بك | کہ جنگ کا کب حکم دیا جاتا ہے جب ایسا ہوگا تو آپ سے ملوں گا

مقصود یہ تھا کہ فراق کی گھڑیوں کو کسی خاص زمانہ تک محدود کر دیا جائے کم از کم اسی امید پر جیوں گا اس کے بعد یکایک آپ کو خیال گزرا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کی ایذاؤں کو دیکھ کر میرے لئے یہ حکم تو صادر نہیں فرمایا کہ اس ترکیب سے میں مکہ سے ٹل کر چھوڑ دوں گا۔ معاً اس خیال کے آتے ہی تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

فانی اری قومك علیك | اور آپ کی قوم جو ہے کہ متفق ہو کر آپ کے
جمیعاً۔ | درپے ایذا ہے اس لئے بھی میرا جانا ہی مناسب ہے

اور واقعہ بھی یہی تھا کہ جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے روانہ کرنے سے تبلیغ وارشاد کا کام لینا منظور تھا ساتھ ہی یہ بھی مد نظر تھا کہ ابوذرؓ ایک سخت آدمی ہیں خواہ مخواہ اسی طرح دشمنان اسلام کے ہاتھ ان کو تکلیف اٹھانا پڑے گی جس کی چند نظیریں گذر چکی ہیں ان کے اس سوال کو سن کر ارشاد فرمایا۔

اصبت | سچ کہتے ہو (یعنی یہی تو میرا مقصد تھا)

یہ سنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت بھڑک اٹھی، غیرت کا خون پیشانی پر جوش مارنے لگا۔ کفار قریش پر آگ ہو گئے۔ جوش و خروش کیا اس وقت آپ کے یہ الفاظ تھے

لا ارجع حتی اصرخ بالاسلام فی المسجد۔ | میں نہیں جا سکتا جب تک کہ اسلام کے ساتھ مسجد حرم میں جا کر نہ چیخوں۔

حتیٰ کہ غیظ میں آ کر قسم کھا بیٹھے بخاری کا جملہ ہے۔

والذی نفسی بیدہ لاصرخن بها بین ظهرانیهم | قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ان کافروں کے درمیان میں جا کر چیخوں گا

یہ کہتے ہوئے سیدھے مسجد حرم میں داخل ہوئے قریش کا مجمع موجود تھا ٹھیک ان کے درمیان گھس کر نہایت اونچی آواز میں۔

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله | میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

کا نعرہ بلند کیا۔ قریش میں اس کے سننے کی کب تاب تھی "صبوت صبوت" کہتے ہوئے ان پر جھک پڑے اور جی کھول کر مارنا شروع کیا۔ مگر ان کی زبان پر بدستور کلمۂ شہادت جاری تھا۔ لات، گھونسے، ڈھیلے، کلڑیاں پڑ رہی تھیں لیکن کوئی پرواہ نہیں کہ یہاں صرف دکھانا یہی تھا کہ قریشیوں کے ان نازیبا حرکات سے ابوذر کا دل کبھی نہیں کانپ سکتا ہر بن مو کی زبان حال سے آواز آ رہی تھی۔

کن رہا تیرے کہ دارم ذوق پیکانے دگر

خدا جانے اس مار پیٹ کا سلسلہ کب تک جاری رہتا مگر حسن اتفاق سے

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر گزر ہوا۔ آپ نے قریش کو مخاطب کرکے فرمایا۔

"ارے کیا کرتے ہو؟ انھیں پہچانتے ہو، یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جدھر سے تمھارے شامی تاجروں کا راستہ ہے" چونکہ حضرت عباس رضؓ قبیلے کے معتبر لوگوں میں سے تھے، مکہ والے آپ کا خیال کرتے تھے لوگوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت ابوذر غفاری اٹھے خوش تھے کہ حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شک کا جواب میں نے عملاً دے دیا ہے، مگر پھر بھی دل کو تسلی نہیں ہوتی تھی بخاری میں ہے کہ دوسرے دن اسی طرح پھر حرم پہنچے اور کلمہ شہادت کو آواز بلند پڑھنا شروع کیا۔ قریش اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خیال سے باز آ گئے تھے آج پھر وہی معاملہ دیکھ کر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔ حضرت عباسؓ کو خدشہ لگا ہوا تھا آئے تو کل ہی کا واقعہ پیش نظر تھا پھر آپ نے لوگوں کو سمجھایا۔ فرمایا کہ

"کیا تمھارا ارادہ ہے کہ قریش کے قافلے لٹ جائیں" آخر کیا کرتے ہو"۔

بدستور سابق آپ کو دیکھ کر کفار رک گئے۔ بہرکیف جب حضرت ابوذر نے اچھی طرح کھلی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن اقدس پر ثابت کر دیا کہ ابوذر رضؓ اس لئے نہیں جاتا کہ وہ مکہ والوں کے مظالم سے ڈر گیا ہے بلکہ صرف اس لئے اس آستانے کو چھوڑتا ہے جس کا چھوڑنا اسے کسی طرح منظور نہیں کہ حضور کے ارشاد کی تعمیل اور خدا کے دین کی اشاعت و نشر کے اہم فریضہ کی انجام دہی اس کا مطمع نظر ہے۔

اس کے بعد آپ مکہ معظمہ سے بصد حسرت و یاس رخصت ہوئے۔

مکہ معظمہ سے روانگی اور دعوت کی ابتدا

میں نے بہت تلاش کیا کہ دیار یار سے الگ ہونے والے مسافر کا حال اس وقت کیا تھا لیکن آثار و کتب سے مایوسانہ جواب ملا۔ بچھڑنے والے اپنے دل پر ہاتھ رکھیں اور جو کچھ آج سے تیرہ سو برس پیشتر مکہ کے گلی کوچوں میں ایک گھائل دل پر گزر رہا تھا اس کا اندازہ کریں چلے جاتے تھے اور تبلیغ کا خیال ساتھ تھا۔ جس مقام میں آپ کے بھائی اور والدہ فروکش تھیں پہنچے حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتظر تھے نہایت گرم جوشی سے ملے اور پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟

بولے اور کیا اسلمت و صدقت مسلمان ہوگیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ حضرت انیس رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی وہ نور مکہ ہی میں چمک چکا تھا بلکہ بیٹھے تھے یہ سنتے ہی فرمایا

مالی رغبة عن دینک فانی — مجھے آپ کے دین سے انکار نہیں اور میں بھی
قد اسلمت و صدقت — مسلمان ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی

حضرت ابوذرؓ کے تبلیغی مہم کی یہ پہلی کامیابی تھی۔ جو کچھ مسرت ہوئی ہوگی وہ ان کا دل جانتا تھا یا وہ جان سکتے ہیں جنہوں نے کبھی کسی بھٹکے ہوئے گمراہ انسان کو صراط مستقیم کی ہدایت کی ہو اور کامیاب ہوئے ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے حضرت انیسؓ کے سامنے اس چشمہ کا بھی ذکر کیا جو آپ کو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا کیا گیا تھا اور ان کو بھی اس میں شریک کیا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد۔

فاتینا امنا ۔ | ہم دونوں بھائی ملکر والدہ کے پاس آئے۔

اور اسلام پیش کیا۔ آپ کی والدہ نے سعادت مند بیٹوں کو مسلمان دیکھ کر فرمایا مجھے بھی اس دین سے کوئی نفرت نہیں (دیکھو) میں مسلمان ہوتی اور جن چیزوں کی تم دونوں نے تصدیق کی ہے میں بھی اس کی تصدیق کرتی ہوں۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ | اپنے قبیلے کے قریب لوگوں کو خدا سے ڈراؤ۔

کا پہلا فرض گویا پورا ہوگیا۔ دونوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ قریش مجھ پر بہت ظلم کر چکے ہیں اس عرصہ میں انھوں نے مجھے بہت ستایا ہے مجھے عقلاً اور قانوناً حق پہنچتا ہے کہ ان سے انتقام لوں اور انشاء اللہ اسی انتقام کے ذریعے سے مقصد میں بھی کامیابی ہوگی۔

عسفان کی گھاٹیوں میں جاکر چھپنا

رائے اس پر مستقر ہوگئی۔ والدہ اور بھائی کے ساتھ آپ عسفان کی ایک گھاٹی (جو تجارتِ قریش کے راستے میں واقع تھی) میں جاکر ٹھہر گئے اور معمول کرلیا کہ اس راہ سے جو قافلہ کفار قریش کا گزرے گا اسے لوٹ لیتے۔ جب ان پر قبضہ ہوجاتا تو اس کے بعد فرماتے اگر تم خدا کی یکتائی کی گواہی دیتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتے ہو تو سارا مال ابھی واپس کردیا جائے گا اور اگر انکار کروگے تو یاد رکھو ایک حبہ کے مستحق نہیں ہوسکتے۔

قریش آپس میں مشورہ کرتے کہ وہی ابوذرؓ (یعنی جو مکہ میں عام طور سے مشہور ہے اور اس پر وہاں بہت ظلم ہوئے ہیں) ایسا کرتا ہے کیا کرنا چاہئے۔

۱؎ طبقات صحیح مسلم میں اس گھاٹی کا نام ثنیۃ غزال بتایا گیا ہے ۱۲

بعض ایمان لے آتے تھے اور بعض کفر ہی پر قائم رہتے جو مسلمان
ہو جاتا تھا آپ اس کا سارا مال و متاع دانہ دانہ رتی رتی کر کے واپس فرما دیتے
جو انکار کرتا تھا اسے بیک بینی و دوگوش روانہ کر دیتے۔

جو لوگ یہاں مسلمان ہوتے تھے مکہ معظمہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے مل جاتے اور اس طرح روز بروز اسلام کی تعداد میں ایک اور
اضافہ کی صورت نکل آئی۔ حضرت ابو ذرؓ جس کام پر مامور کئے گئے تھے خدا
کے فضل سے اس میں غیر متوقع کامیابی ہو رہی تھی۔ اس واقعہ میں سب سے
زیادہ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اگر حضرت ابو ذرؓ کے ہاتھ پر ایمان لانے
والے محض مال کی طمع سے مسلمان ہوتے تھے تو ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ
مکہ میں جا کر پھر جاتے، لیکن تاریخ اس کی ایک نظیر بھی پیش نہیں کرتی۔ جو
مسلمان ہوتا تھا بس ہمیشہ کے لئے ہوتا تھا، کہ حق و صداقت کی روشنی
دلوں میں خواہ کسی وسیلے سے بھی ہو جب صحیح طور پر اتر جاتی ہے تو دیکھا
گیا ہے کہ پھر وہ بہت مشکل سے بجھتی ہے۔

الغرض عسفان کی گھاٹیوں میں آپ ایک زمانہ تک نہایت
دلیری کے ساتھ اسلام کی اس اہم خدمت کو انجام دیتے رہے باوجودیکہ
یہ کل تین آدمی تھے اور ان میں بھی تیسری آپ کی والدہ ایک بوڑھی عورت
تھیں۔ لیکن منقول نہیں کہ آپ کو کبھی کفار مکہ سے عسفان میں کوئی گزند
پہنچا۔ کہ منصب تبلیغ پر پہنچنے والوں کے لئے

واللہ یعصمک من الناس | خدا تجھ کو لوگوں کی شرارت سے محفوظ رکھے گا۔

کا وعدہ بزوالی موجود ہے۔

وطن کی طرف مراجعت | ٹھیک ٹھیک میں نہیں بتا سکتا کہ حضرت ابو ذرؓ

عسفان میں کب تک رہے لیکن مسند احمد حنبل کی ایک روایت سے
معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے غفار میں پہنچ چکے تھے[1]۔ عجیب بات
ہے کہ جن غفاریوں نے آپ کو محض خاتم توحید کی بناء پر اس درجہ پیچ پہنچایا
تھا کہ آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے آج حق و صداقت کی کشش ورعب نے
دیکھا کہ بغیر کسی مادی کدو کاوش کے بعض تو پہلی ہی تبلیغ میں ایمان
لے آئے اور بعضوں نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ
منورہ تشریف لے آئیں گے تو ہم لوگ اس وقت پورے مسلمان ہو جائیں گے[2]

قریب ہی آپ کے حلیف اسلم کا قبیلہ آباد تھا وہاں بھی آپ
پہنچے، اور جو کچھ اپنے دل میں لگا کر لائے تھے دوسروں میں بھی اسی کو
لگانا شروع کر دیا چونکہ روز بروز کامیابی ہو رہی تھی اس لئے آپ کو
اس سے از حد دلچسپی ہو گئی۔ اخیر میں ان کا شغف اس درجہ ترقی پذیر
ہوا کہ آپ اس وعدہ کو بھی پورا نہ کر سکے جسے چلتے وقت سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا یعنی میں دیکھتا رہوں گا کہ آپ کو جنگ کی
اجازت کب ملتی ہے۔ جب مل جائے گی فوراً حضور سے آملوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا حکم بھی ہوا۔ بدر و احد
جیسی مشہور لڑائیاں بھی گزر گئیں لیکن حضرت ابو ذر کو اپنے کام سے
فرصت نہ مل سکی۔ اخیر میں جب کفار عرب دس ہزار جرار لشکر کے
ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے اور خندق کی وجہ سے ایک مہینہ کا
محاصرہ ڈال کر مدینہ کے سامنے پھیل گئے یہاں تک کہ آسمانی قوت نے
ہوا میں جنبش پیدا کی جس نے خیمے اکھاڑ دیئے ہانڈیاں دیگیں الٹ دیں

---

[1] مسند امام احمد صفحہ ۱۷۱ ج ۵ [2] صفحہ ۱۴۳ ج ۴ — ۱۲

فرشتوں نے کافروں کے دل سل ڈالے۔ دشمنوں میں بلا وجہ رستخیزی پیدا ہوئی، قریش بغیر لڑے بھڑے، مکہ میں آکر چھپ گئے تو اس واقعہ نے تمام عرب میں زلزلہ ڈال دیا یقین و ایمان کی ایک لہر تھی جو تمام عرب میں دوڑ گئی۔ غفاری اولاً یونہی منتظر بیٹھے تھے اس واقعہ نے ان کے شوق و اضطراب کو اور بھڑکا دیا۔

مدینہ منورہ کا سفر

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بقیہ غفار نے درخواست کی کہ ہم لوگ مدینہ جاکر ایمان لانا چاہتے ہیں۔ اسلم والوں نے بھی ساتھ دیا

سنہ کے ابتدائی مہینے تھے کہ غفار اور اسلم کی صحبت میں اسلام کا کامیاب مبلغ پھر انہیں قدموں کے نیچے آکر تڑپنے لگا جس کی یاد نے اس کو طویل عرصہ میں کبھی چین سے نہیں رکھا تھا کیا کچھ واقعات گزرے ہجر و فراق کی داستانوں میں کیا گفت و شنید ہوئی۔ زمانہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ ہمیں تو صرف اس قدر معلوم ہے کہ دونوں قبیلے آپ کے روبرو پیش ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدار اقدس سے ان کی آنکھوں بلکہ جانوں کو نوازتے ہوئے فرمایا۔

غفار غفر اللہ لہا اسلم سالمہا اللہ (صحیح مسلم) | غفار کی خداوند تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے اور اسلم کو خدا سلامت رکھے۔

یہ ایک خاص خصوصیت تھی جو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے علاوہ آپ نے کسی قبیلے کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں فرمائے اور اسلم پر بھی یہ رحمت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت پھیل گئی۔

قبائل غفار و اسلم تو اپنے خیمہ گاہوں کی طرف واپس لوٹے اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کا دامن تھام لیا۔ اور اس مضبوطی سے تھاما کہ پھر کبھی الگ نہیں ہوئے۔

امارت مدینہ

روز بروز آپ کا اقتدار و اعزاز دربار نبوی میں بڑھ رہا تھا حتیٰ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع[1] میں تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کا امام آپ ہی کو بنایا۔ اور نہ صرف آپ ہی امیر ہوئے بلکہ آپ کے صدقہ میں غفاریوں کو بھی کبھی کبھی یہ عہدہ ملا مثلاً غزوہ دومۃ الجندل کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفطۃ الغفاری کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا تھا۔[2]

ردافت کی عزت

عرب میں عام طور سے دستور تھا کہ جب اونٹ پر سوار ہوتے تو اپنے کسی خاص آدمی کو اپنا ردیف بنا لیتے تھے جو سوار کی کمر تھام کر پیچھے بیٹھتا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی کسی کو اپنا ردیف بناتے تھے۔ حجۃ الوداع میں آپ کے ردیف آپ کے چچا زاد بھائی فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردافت ایک بڑا عہدہ جلیل تھا۔ جس شخص کو آپ یہ عزت دیتے تھے

---

[1] اس جنگ کا نام ذات الرقاع (یعنی پیوندوں والی لڑائی ہے) وجہ یہ تھی کہ راستہ نہایت سنگلاخ اور پتھریلا تھا۔ جس سے اکثروں کے پاؤں پھٹ گئے تھے۔ لوگوں نے اس لئے پاؤں میں لتے باندھے تھے چونکہ ذات الرقاع صحیح روایات کی بنا پر خندق کے بعد واقع ہوا ہے اس لئے حضرت ابوذر کا امیر مدینہ ہونا کوئی بعید نہیں (دیکھو تفصیل زاد المعاد)

[2] زاد المعاد ج ۱-۱۲

گویا وہ ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔

ہمارے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس عزت سے سرفراز کئے جاتے تھے۔ نہ صرف اونٹوں پر بلکہ حضور چھوٹی چھوٹی سواریوں میں بھی مثلاً گدھے وغیرہ پر بھی حضرت ابوذر کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے اور آپ سے باتیں کرتے ہوئے راستہ طے فرماتے تھے[1]

خدمتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور صرف رفاقت ہی نہیں بلکہ زمانہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ خادم بھی رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خدمت سے بہت زیادہ خوش تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت سے فارغ ہوکر کچھ رات گزرے مسجد نبوی میں سونے کے لئے آئے چونکہ اس دن زیادہ کام کیا تھا اس لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دلجوئی کے لئے تھوڑی دیر کے بعد مسجد تشریف لائے۔

حضرت ابوذر سو چکے تھے آپ نے انگوٹھے کے اشارے سے جگایا۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھے آپ نے پوچھا 'ابوذر کیا ہے۔ اس دن کیا کروگے جب اس سے (مسجد نبوی سے) تم نکالے جاؤگے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ دربار نبوت میں بہت زیادہ شوخ تھے' بولے۔

"میں اپنی تلوار سونت لوں گا۔ اور جو مجھے یہاں سے نکالے گا اس کی گردن اڑا دوں گا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کرنے لگے۔

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۱۳ مسند احمد وغیرہ ۱۲

ثلثة ایام من کل شهر[1] | ہر مہینے میں تین روزے رکھا کروں۔

اور اخیر میں فرما دیتے کہ میں اس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح ایک دوسری وصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اوصانی حبی بخمس ارحم المساکین واجالسهم وانظر الی ما هو تحتی ولا انظر الی ما هو فوقی وان اصل الرحم وان اقول الحق ولو کان مرا وان اقول لا حول ولا قوة الا بالله

میرے محبوب نے مجھے پانچ باتوں کی وصیت کی کہ مسکینوں پر مہربانی کروں اور انھیں کے ساتھ نشست و برخاست رکھوں ہمیشہ اپنے سے ابتر حال والوں پر نظر رکھوں اور اپنے سے بہتر حال والے کو نہ دیکھوں رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کروں اور سچ بولوں اگرچہ تلخ کیوں نہ ہو اور کہتا رہوں کہ گناہوں سے باز نہیں رہ سکتا اور نہ طاعات پر قادر ہو سکتا ہوں مگر صرف خدا کی مدد سے۔

الغرض یہ خاص آپ کا طرز تھا کہ ان کا نام جن کی زندگی کا تمام اساس پر حسن متقدر رکھا تھا حبیبی یا خلیلی کے لفظ سے تعبیر کیا کرتے کبھی کبھی حالت بہت غیر ہو جاتی تھی حدیث بیان نہیں کر سکتے تھے گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

احنف بن قیس راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیت المقدس کی مسجد میں ایک حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا صرف اتنے الفاظ کہہ کر کہ مجھے میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ چیخ مارتے تھے پھر اٹھتے کہ مجھے میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور چیخ مارتے پھر یہی کہتے کہ مجھے میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور چیخ مارتے تھے کہ چوتھی بار ضبط کر کے

[1] مسند احمد ج ۵

حدیث بیان کی۔

ایک دن حضرت ابوذرؓ کو خیال گزرا کہ آج تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں لیکن جنت میں کیا ہوگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بہشت میں ہونگے اور میرا وہاں جانا نہ جانا مشکوک ہے کہ جنت کا استحقاق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کامل سے ہوتا ہے اور ہم میں یہ کب ہیں۔

الغرض اس کا غلبان اس قدر بڑھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یا رسول ایک آدمی ہے جو کسی کو پیار کرتا ہے اس سے اُسے محبت ہے لیکن اس میں استطاعت نہیں کہ اپنے محبوب کے مانند تمام اعمال وافعال کو بجا لائے (پھر اس کا قیامت میں کیا حال ہوگا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذرؓ کے مقصد کو پہنچ گئے فرمایا اے ابوذر تم تو اسی کے ساتھ رہو گے جس کو پیار کرتے ہو حضرت ابوذرؓ بیتاب ہو کر چلائے کہ یا رسول اللہ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو پیار کرتا ہوں اور انہیں کو دوست رکھتا ہوں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"تو اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو تم اسی کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو۔ تم اُسی کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو"

شہیدان محبت کے لئے حضرت ابوذرؓ کا یہ سوال انشاء اللہ بہت بہت ہمت افزا و حوصلہ افزا ہے۔ اعمال میں کمزوریاں ضرور ہیں اتباع اسوہ نبوی سے

مسند احمد، حدیث

یقیناً نایاب ہے لیکن

انت مع من احببت | تو اس کے ساتھ ہے جس کو دوست رکھتا ہے۔

بھی ایسی پکی زبان صلوات اللہ علیہ وعلی اصحابہ وسلامہ کے امراض صادق ہیں جس کی سچائی کی امید نہ رکھنی کفر ہے تم محبت کرکے دیکھو! دیکھنا کہ ابتلاء کے لئے جوڑ جوڑ بند بند ٹوٹا ہوا باطن خود مضطر ہوگا۔

اب شانِ محبوبی کے جلوہ فرمائیوں کا بھی نظارہ کرو جاں نثاروں کے ساتھ کیا نوازشیں تھیں کیا کچھ مدارات تھیں۔ حضرت ابوذر خود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

لم یلقنی قط الا اخذ بیدی[1] | کبھی میری ملاقات ایسی نہیں ہوئی کہ آپ نے میرے ہاتھ نہ پکڑے ہوں (یعنی ہمیشہ مصافحہ کی سرفرازی نصیب ہوتی تھی)

دربارِ رسالت میں جب کسی کی زبان نہیں کھل سکتی تھی کسی کی کرمہائے فراواں نے ابوذر کو گستاخ کر دیا تھا کہ جو جی میں آتا تھا پوچھتے تھے خود فرماتے ہیں۔

انا کنت اسأل عنها یعنی اشد مسئلة (سنن بیہقی) | میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پوچھا کرتا تھا اور پوچھنے میں سخت تھا۔

سوال کی اسی شدت و کثرت کا نتیجہ تھا کہ آخر دنوں میں حضرت ابوذرؓ فرمایا کرتے۔

لقد ترکنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما یحرک طائر جناحیہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ہم لوگوں کو چھوڑا جب فضا میں اڑنے والے پرندوں کے متعلق

---

[1] مسند احمد ۱۲

فی السماء الا اذکرمنه علما	بھی نہیں کوئی نہ کوئی علم مل گیا۔

(مسند احمد)

صحبت و خدمت کی اس طویل مدت اور سوالوں کے پوچھ گچھ کے اس دراز سلسلے میں شاید ہی کبھی اپنے نیازمند کو بارگاہ سراپا ناز سے جھڑکی ملی۔ البتہ ایک دفعہ جب حضرت ابوذر اپنے حدود سے بہت آگے بڑھ گئے تو پھر عتاب ہوا۔ اور ایسا عتاب ہوا کہ حضرت ابوذر بھی اس کو ہمیشہ یاد کرتے ہوئے فرماتے۔

فغضب علی رسول الله	پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر غصے ہوئے
صلی الله علیه وسلم	اور اس قدر غضبناک ہوئے کہ نہ آتا غصہ
ماغضب علی من قبل	آپ کو مجھ پر اس سے پہلے آیا تھا۔ اور
ولا من بعد (سنن بیہقی)	نہ کے بعد کبھی آیا

قصہ یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "لیلۃ القدر" کی بڑی تلاش رہتی تھی ایک دن موقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا قدر کی رات صرف رمضان کے مہینے کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسرے مہینوں میں بھی واقع ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں صرف رمضان میں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ رات محض اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ کے پیغمبر ہم میں ہیں یا ان کے بعد بھی اس کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نبی کے بعد بھی یہ رات باقی رہتی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی میں نے عرض کیا کہ آخر رمضان کے کس عشرہ میں اس رات کو تلاش کیا جائے۔ آپ نے فرمایا "آخر عشرہ میں اور اول عشرہ میں اسے ڈھونڈھو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی اور گفتگو میں مصروف ہو گئے لیکن میں سوقع کی تاک میں رہا ذرا فصلت پاکر پھر پوچھا کہ آخر ان دو عشروں میں سے کس عشرہ میں واقع ہوتی ہے فرمایا کہ آخر عشرہ میں اور اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بس اب آیندہ کچھ نہ پوچھنا پھر آپ دوسری باتوں میں مشغول ہو گئے مگر میں تاک ہی میں لگا رہا موقع پاتے ہی باوجود ممانعت کے میں نے پوچھتے ہوئے۔

اقسمت علیک یا رسول اللہ بحقی علیک لتحدثنی فی ای العشر ھی۔	حضور پر میرا جو کچھ بھی حق ہے میں اس کی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ مجھے بتا دیجئے کہ عشرہ اخیرہ کی کس رات میں یہ رات واقع ہوتی ہے

بس اس کے بعد علم قلزم عمیق میں جنبش ہوئی اور ایسی ہوئی جسے تم حضرت ابوذر کی زبانی سن چکے کہ اس تلاطم کو نہ انھوں نے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دریائے رحمت کے اس غضبی جوش کا منشا کیا تھا۔ کیا باوجود ممانعت کے حضرت ابوذر کے پوچھنے پر غصہ آیا۔ شاید اس لیے کہ ابوذر میں اب تک اپنا اتنا حصہ باقی ہے جس کی تعبیر انھوں نے "حق" سے کی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر کو جو کچھ بنانا چاہتے تھے اس کے اندر "حق" کی گنجایش کہاں رہتی ہے۔ بہر حال یہ الفت و محبت کی دائرہ کی باتیں ہیں ان رموز و اسرار تک محب و محبوب کے سوا کسی دوسرے کی کیا رسائی ہو سکتی ہے۔ میں تو اس وقت ان نوازشوں کا ذکر کرنا چاہتا تھا جو مختلف شکلوں میں جناب ابوذر پر دربار نبوت سے مبذول ہوتی رہتی تھیں واقعات بکثرت ہیں۔ لیکن سب سے نمایاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کا ایک واقعہ ہے۔ حضور صاحب فراش تھے

مرض شدت پذیر ہے یعنی اسی حال میں حکم ہوتا ہے کہ ابوذر کو بلاؤ، لوگ دوڑتے ہیں لیکن وہ وارفتۂ جمال نبوی خدا جانے کدھر نکل گیا تھا، تھوڑی دیر میں جب واپس ہوئے اور معلوم ہوا کہ طلبی ہوئی تھی ہانپتے کانپتے آستانے پر پہنچے باریابی ہوئی۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ آپ لیٹے ہوئے تھے ضعف سے اٹھ نہ سکے میں آپ کی طرف جھکا اس وقت آپ کے دونوں ہاتھ بڑھے اور مجھے اپنے صدر منشرح سے چمٹا لیا ﷺ پھر اس کے بعد کیا ہوا اس کا پورا علم تو حضرت ابوذر کو ہوگا تاہم دنیا کو بھی معلوم ہوا کہ اس کے بعد ابوذرؓ سے پندار و خودی آرزو و خواہش کے خس و خاشاک جل کر کچھ اس طرح بھسم ہوئے کہ پھر کبھی نہیں اگے۔

مطلع سینۂ نبوی سے ابوذر کے پہلو میں وہ درد اترا جس کے بعد انسان ہمیشہ مجنون و دیوانہ مشہور ہوا ہے۔

صحبت نبویہ کے آثار

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذین معہ (یعنی وہ بھی جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے پر آپ کے زمانہ میں تھے) کے باہمی تعلقات کو ذہن نشین کرانے کے لئے ہمارے سامنے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تمثیلی بیان سے غالباً زیادہ موثر کوئی چیز نہ ہو سکتی اپنے مکتوبات میں ایک مقام میں ارقام فرماتے ہیں۔

"آفتاب جگر آسمان پر تھراتا ہوا جلوہ افروز ہوتا ہے، دھوبی اپنے کپڑے صاف کر کے اس کی گرم گرم شعاعوں کے سامنے ان کپڑوں کو پھیلا کر

لہ مسند احمد بن حنبل الامام ۱۲

کھڑا ہو جاتا ہے؟ مگر تاثیر کی بوقلمونی کس درجہ اعجوبہ پرداز ہے کہ کپڑے آناً فاناً سفید ہوتے جاتے ہیں اور دھوبی کا چہرہ اسی دھوپ میں اسی وقت ایک ہی ہوا میں اسی نسبت کے ساتھ سیاہ پڑتا جاتا ہے"

تم دیکھتے ہو کہ عرب کے ایک ساحلی شہر طیبہ میں ایک نبوی آفتاب چمک رہا ہے۔ اس کے اردگرد سیکڑوں دل نہیں ہزاروں روحوں کا اجتماع ہے لیکن وہ جنھیں لوگ افضل البشر بعد الانبیاء کہتے ہیں صدیقیت کے رنگ کو اپنے اندر اس کی کرنوں سے پختہ کر رہا ہے۔ کسی میں فاروقیت یا حق و باطل کی قوت ممیزہ شدت پذیر ہو رہی ہے۔ کوئی ہے جو اپنے روح و جسم میں حیا کے تمام شعبوں کی تکمیل میں مصروف ہے کسی کا سینہ علوم و معارف کے لئے یوماً فیوماً منشرح ہو رہا ہے۔ اور جہاں یہ سب ہے وہیں چند اشقی القوم ایسے بھی ہیں جن کے قدم جہل و تیرہ دوری کی سیاہ کیچڑوں میں دھنس رہے ہیں۔ گمراہی و شرارت کے لہب و شعلوں میں گھسے جاتے ہیں۔

تبارک الذی بیدہ الملک	مبارک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہت تمام
وھو علی کل شیء قدیر الذی	کی ہے اور وہ ہر چیز خواہ شر ہو یا خیر پر قادر ہے
خلق الموت والحیواۃ۔	اسی نے پیدا کیا موت کو اور ایک شمع حیات زندگی کو جس نے

انھیں دنوں میں ایک وہ دن بھی تھا جس پر غفاریوں کی خاندانی زندگی کے پردے پڑے ہوئے تھے اور جس پر لٹیروں کی قساوت و ہوسناکی کا بادل محیط تھا لیکن ان تہ بہ تہ تاریکی کے اندر ایک مادہ صالحہ بھی پنہاں تھا جو اسی مدنی آفتاب کے نیچے خوش قسمتی سے آگیا ہے۔

سراج منیر (آفتاب درخشاں) کی تیز کرنیں اس پر بھی پڑ رہی ہیں

ابر بہشت رحمت ہیں پردہ چاک ہو رہا ہے حتی کہ جب ان کی بالکل دھجیاں
اڑگئیں تومیں نے بعد کو اور مجھ سے صدیوں پہلے دنیا کی بہترین جماعت
نے وحی نبوتی کی صداقت اب آوازوں میں سنا۔

من سرہ ان ینظر الی زھد عیسیٰ بن مریم فلینظر الی ابی ذرؓ	جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے پس وہ ابوذر کو دیکھے۔

حتی کہ جب دیکھنے والوں نے دیکھا تو بنی اسرائیل کے اس نبی میں جو تائید
روح القدس کے پرورش یافتہ تھے اور محمد (صلوات اللہ علیہ وسلامہ)
کی ادنیٰ فیض پذیرندہ کے زہد میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ یہ ہمارے حضرت
ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کی فطرت میں بطن ام (شکم مادر)
سے زہد و تقویٰ کا تخم موجود تھا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آب
صحبت کی بدولت وہ اوگا، پھلا پھولا اور اخیر میں اتنے برگ و بار لایا کہ
اس کی شادابی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حقیقت[1] جامعہ
کی شاخ مسیحی کا اسے ایک مکمل نمونہ قرار دیا۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفس صحبت پاک کا یہ اثر
تھا لیکن اسباب و علل کی تلاش کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت
بڑا دخل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت انتخاب اور طریقہ تعلیم کو
بھی تھا آپ جس شخص میں جس چیز کی مناسبت دیکھا کرتے اس کو اسی قسم کی

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی شان مبارک میں ارشاد فرمایا ہے۔

اوتیت علم الاولین والآخرین	اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم و معارف مجھے دئے گئے

اسی لحاظ سے آپ کی ذات تمام انبیاء علیہم السلام کے حقائق کی جامع تھی بعض پر ان حقیقتوں میں سے
کسی ایک کا پرتو پڑتا تھا اور وہ اسی میں پختہ اور کامل ہو جاتے تھے ۱۲۔

تعلیم دیتے تھے جیسا کہ ان شاء اللہ کچھ تھوڑی بہت تفصیل اس کی آئندہ پڑھو گے۔ تم کو وہیں سلف صالح کی ان آراء مستقیمہ کی صداقت بھی معلوم ہوگی جو فرماتے آئے کہ حدیث و قرآن سے تکمیل روح انسانی کے لئے ضرورت ہے کہ کسی شیخ طریقت کی حلقہ بگوشی بھی اختیار کی جائے وجہ یہ ہے کہ گو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بصورت قرآن و آثار و حدیث ہمارے سامنے ہے لیکن آج وہ قوت انتخابیہ کہاں ہے جو جانچ لے کہ فلاں شخص کے لئے فلاں تعلیم کی ضرورت ہے۔

حضرات صوفیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں خدا اس قوت کو پیدا فرماتا ہے اور وہ اپنے وابستوں کی جبلت کا اندازہ کرکے ان کے سامنے ارشاد و تعلیم فرماتے ہیں۔

طریقِ تعلیمِ نبوی

میں استیعاب تو نہیں کر سکتا تاہم مختصر مختصر طور پر اس کا ایک دھندلا سا خاکہ پیش کرنے کی گنجائش بھی پاتا ہوں۔

محبت دنیا | مراتب زہد میں سب سے پہلے جس جذبہ کو دبانا چاہیے وہ محبت دنیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے دھن دولت کی مذمت فرماتے۔ خود ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں کعبہ (غالباً یہ مدینہ آنے سے پہلے کا واقعہ ہے) کی طرف ایک دن جا رہا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دیوار کے سایہ میں جلوس فرما تھے دور سے مجھے دیکھا اور جب قریب ہوا تو آپ فرمانے لگے

هم الاخسرون ورب الکعبۃ | وہی برباد و تباہ ہیں قسم ہے کعبے کے رب کی۔
هم الاخسرون ورب الکعبۃ | وہی برباد و تباہ ہیں قسم ہے کعبے کے رب کی۔

حضرت ابوذر کو خیال ہوا کہ شاید میرے متعلق آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی سانس چڑھ گئی دوڑتے ہوئے آئے اور فرمایا۔

من هم فداك ابی وامی | وہ کون ہیں آپ پر میرے ماں باپ قربان ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الاکثرون اموالا الا من قال | زیادہ مال و دولت والے لیکن جس نے اس طرح
هکذا وهکذا وقلیل ما هم | اور اس طرح اور وہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کے دھوبے بنا لئے اور آگے دائیں بائیں کی طرف اشارہ فرمایا یعنی جو خوب لے دے۔ غریبوں کے کام چلائے

شام کا وقت ہے صحرائے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تفریح سیر و تفریح تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ ہیں۔ سامنے احد کا پہاڑ نظر آیا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا۔ "ابوذر!"

حضرت ابوذر۔ لبیک یا رسول اللہ

آپ نے فرمایا۔

اے ابوذرؓ اگر اس احد کے برابر بھی ہمارے پاس سونا ہو تو میں اس کو بالکل پسند نہیں کروں گا کہ وہ ہمارے یہاں تیسرے دن تک رہ جائے۔

لیکن صرف اس قدر حصہ جو قرض داروں کے لئے بچا رکھ چھوڑوں باقی سب کو ادھر ادھر اللہ کے بندوں پر تقسیم کر دوں۔ اور پھر دھوبے

بنا بنا کر آپ دائیں بائیں اشارہ فرمانے لگے۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں، ہم پھر آگے چلے، آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پھر ارشاد فرمایا۔

"ابوذر! وہی بے دولت ہیں جو دولت والے ہیں مگر صرف وہ جو ادھر دے اور ادھر دے"۔[1]

پس وہ جنہیں خدا پیار کرتا ہے ان میں ایک وہ شخص ہے کہ ایک فقیر ان قبیلہ میں آتا ہے اور قرابت کا واسطہ دے کر نہیں بلکہ خدا کا واسطہ دے کر ان سے کچھ مانگتا ہے اور قبیلے کے لوگ اسے کچھ نہیں دیتے ہیں لیکن وہی چپ چاپ اٹھتا ہے اور چھپا کر اس کے کچھ اس طرح حوالہ کر دیتا ہے کہ اس کی خیرات کا علم بجز خدا اور لینے دینے والے کے علاوہ کسی کو نہیں دوسرا وہ ہے جو کسی قافلہ کے ساتھ رات کو چلتا ہے حتیٰ کہ جب قافلہ پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کسی مقام میں اتر پڑتے ہیں اور تکیوں پر سر رکھ کر سو جاتے ہیں لیکن وہ تھکا ماندہ مسافر اکیلا خدا کے آگے کھڑا ہو جاتا ہے اور اللہ کی خوشامدیں کرتا ہے اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے

تیسرا وہ ہے جو کسی جنگ میں شریک ہے دشمنوں سے سپاہیوں کی مٹ بھیڑ ہو جاتی ہے اتفاق سے مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے۔ اس وقت سینہ تانے آگے بڑھتا ہے پھر یا قتل ہو جاتا ہے یا مظفر و منصور واپس ہوتا ہے۔

اور جن سے خدا بغض رکھتا ہے وہ بڈھا زانی اور قلاش بانکا اور ظالم دولتمند ہے۔[2]

---

[1] مسند احمد ۱۴ [2] مسند احمد ۱۳

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو لوگ آج اونٹوں بکریوں گایوں کے مالک ہیں اور اس کی
زکوٰۃ ادا نہیں کرتے قیامت کے دن ان کی مویشیاں بہت بڑی
اور موٹی ہو کر آئیں گی اور جب تک اعمال کا فیصلہ نہ ہوگا کوئی اپنے
مالک کو سینگوں سے مارے گا کوئی اپنے قدموں سے کچلے گا۔
ایک قطار جب ختم ہو جائے گی تو دوسری آئے گی اور وہی
درگت بنائے گی۔[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یہ حدیث تو آخر عمر میں اکثر پڑھا
کرتے تھے۔ کہ مجھ سے میرے محبوب نے عہد کیا۔ کہ جس نے سونے چاندی پر
گرہ لگائی وہ آگ کے مالک پر انگارے ہیں۔[2]

اور نہ صرف یہ حدیث بلکہ ایسے سیکڑوں اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے کتب احادیث میں موجود ہیں۔
جن میں حضرت ابوذر کی تعلیم کا خصوصیت کے ساتھ پتہ چلتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہیں اور
ارشاد فرماتے ہیں۔

"ابوذر! مسجد میں جو سب سے زیادہ بلند رتبہ کا آدمی ہو دیکھو وہ کون ہے"

---

[1] مشدا عیدا اس حدیث کی بات قابل لحاظ ہے کہ مویشیوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی
ہے جب کہ وہ یا تو تجارت کی غرض سے پالے گئے ہوں یا ان کا اکثر زمانہ چرائی پر بسر
ہوتا ہو ورنہ گھر پر کھلانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں۔

[2] اس حدیث کے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص قصہ اور فتویٰ ہے خاطر
اس کو یاد رکھیں۔ تمام تمہید اسی کے لئے ہے۔ ۱۲

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو جس کے بدن پر نہایت قیمتی جوڑا تھا دیکھا اور اشارہ کیا کہ حضور دیکھیے آپ نے فرمایا اچھا اب دیکھو ان میں سب سے زیادہ گرا ہوا کون ہے۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے ایک مسکین کی طرف جو نہایت پھٹے پرانے چیتھڑوں میں بیٹھا ہوا تھا اشارہ کیا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا۔

"خدا کی قسم قیامت کے دن اس کا (یعنی پھٹے پرانے کپڑوں والے کا) وزن نیکی اور بھلائی میں ایسوں سے (یعنی اچھے قیمتی جوڑے والوں سے) تمام زمین کے وزن کے برابر زیادہ ہوگا۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن معاش سے تنگ آکر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور درخواست کی کہ حضور مجھے کسی صوبہ کا عامل (گورنر) مقرر فرمائیں آپ صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے یہی فرمایا۔

یا اباذر انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی لا تامرن علی اثنین ولا تولین مال ا

ابوذر میں تم کو کمزور پاتا ہوں (یعنی یہ کام تمہاری فطرت کے مناسب نہیں) اور میں تمہارے لئے اسی بات کو پسند کرتا ہوں جو مجھے اپنے لئے پسند ہے ہرگز تم دو آدمی کے بھی امیر نہ بنا اور نہ کبھی یتیم کے مال کے متولی ہونا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور کی خدمت [illegible] ت کو حاضر ہوا تھا اور صبح تک اصرار کرتا رہا لیکن آپ نے کسی طرح منظور نہ کیا

---

۱ مسند احمد ۱۲ ۲ طبقات ابن سعد ج ۴ ص[illegible] ۱۲

فرمایا۔ ؎

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طبیعتوں کی فطری نہاد کا اندازہ بہت ضروری ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تو اس عہدہ پر خود مامور فرماتے تھے لیکن حضرت ابوذرؓ کے لئے کیوں ناپسند فرمایا۔

حب مال جب دنیا کی نہایت غدار و رشتے ہیں اس کی نشوونما میں سب سے زیادہ تائید بخشنے والی چیزیں ہیں اور دوسروں کی دنیاوی ترقیاں ہیں۔ انسان پر کبھی ہستی ناپائیدار کی اصل حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور چند دنوں کے لئے اکثر سلیم الفطرتوں کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے، مگر جہاں مالداروں اور اپنے سے زیادہ دولت مندوں پر نظر پہنچی۔ ان کے اچھے مکان عمدہ لباس، لذیذ کھانے۔ خوبصورت، پرشوکت سواریاں سامنے سے گذریں۔ بس اسی وقت ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے اور اسی کے بعد زہد و عزلت کے تمام جذبات کو کھو بیٹھتا ہے، روحانی خیالات سلب ہو جاتے ہیں اور دنیا کی ہوس دل و دماغ پر مسلط ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بھی علاج بتا دیا تھا اور وہ اخیر عمر تک اسی پر عامل رہے۔ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔

"میرے خلیل (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے حکم دیا ہے:"

(۱) مسکینوں سے محبت کروں اور ان سے ملتا جلتا رہوں۔

(۲) اور مجھے فرمایا کہ میں اپنے سے کم رتبہ والے آدمی پر ہمیشہ نظر کروں

؎ مسند احمد ۱۳۔

اور اپنے سے بلند مرتبہ پر کبھی نگاہ نہ ڈالو۔ یہ در اصل اس مرض کا بہترین
علاج ہے۔ فرض کرو کہ ایک آدمی ہے جسے ململ کا کرتہ اور لٹھے کا پاجامہ
پہننے کو گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت کھانے کو ایک صاف ستھرا
سی کا مکان رہنے کو ملتا ہے۔ اب اگر یہ اس شخص پر جس کے پاس گاڑھے
کا کپڑا اور جو کی روٹی اور پھونس کے جھونپڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہے نظر
کرے گا تو اپنی حالت پر شکر کرے گا اور خواہ مخواہ ان فضول مصائب میں
مبتلا نہ ہوگا جو اسے اپنے سے زیادہ مالدار زیادہ قیمتی لباس عمدہ کھانے
کھانے والے پر نظر کرنے کے بعد جھیلنے پڑتے۔ دنیاوی طمانیت اور اخروی
فوائد کی یہ بہترین تدبیر ہے لیکن ہم میں کتنے ہیں جو آج اس پر عامل ہیں
بلکہ میں تو کہتا ہوں اگر اس اصول پر انسان عمل کرے تو شاید اسے کبھی کسی
قسم کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی، دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ یہی وہ سنہرا اصول
ہے جس کی تعبیر میں سعدی نے کہا۔ "بے پیر کے لے کو دیکھ کر مجھے اس کا افسوس
نہ ہوا کہ میرے پاؤں میں جوتے کیوں نہیں ہیں"۔

حب مال کے بعد حب دنیا کا دوسرا جز جاہ و عزت کی محبت ہے
یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور نظام عالم کے فساد کا باعث ہے دنیا میں
بندگان دولت سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ اُن سے بہت ہی کم ہیں
جو جاہ پرستیوں کی دیوانگیوں سے ظہور میں آئے۔

اس مرض کا اصلی سبب، صرف یہ ہے کہ انسان اپنے اندر جب کسی
کمال کو محسوس کرتا ہے تو وہ کمال عطا کرنے والے کی قوت و قدرت کو بھول
جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں بھی کچھ ہوں اور اسی کے بعد کوشش کرتا ہے
کہ جیسا کہ میں نے اپنے آپ کو کچھ سمجھا ہے کوشش کرنی چاہئے کہ زمانہ گرو

دانش وروں کو بھی میرے وجود باکمال کی اطلاع ہو پھر اس کے لئے جو کچھ تدبیریں اپنی اپنی پرواز کے موافق سمجھ میں آتی ہیں. کم دیکھا گیا ہے کہ حرص ہوا کا ادنیٰ غلام اس کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا رکھتا ہو منافعت کے انگاروں سے اپنا سینہ بھر لیتا ہے اور حلال و حرام طریقوں سے اپنے وجود کی خبر دنیا کے کانوں تک پہنچانے کی فکر میں مصروف رہتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو کمال پیدا ہونے والا تھا! ہو چکا تھا. وہ زہد اور تقویٰ کا کمال تھا. ڈر تھا کہ کہیں اس عجب رخود بینی نہ پیدا ہو. جس کے بعد جاہ و عزت کا سیلاب خود بخود دنیا و آخرت کے چین کو بہا کرلے جاتا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت اس کا بھی انسداد فرما دیا۔ اور صاف لفظوں میں حضرت ابوذر کو مخاطب کرکے آپ نے ایک دن فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو تم سب کے سب گنہگار ہو لیکن جسے میں محفوظ رکھوں' پس تم سب کے سب مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کی درخواست کرتے رہو میں تمہیں بخشوں گا۔ جو مجھے صاحب قدرت جانتا ہے' یعنی جانتا ہے کہ گناہوں کو خدا مٹا سکتا ہے اور بٹاتا ہے اور اس نے میری قدرت کے وسیلہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی' میں نے اس کے گناہ معاف کئے اور مجھے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں"

اے ہمارے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو لیکن

صرف وہ جسے میں راستہ بتاؤں تو تم ہم سے ہی ہدایت کی التجا کرو۔

تم سب کے سب محتاج و فقیر ہو لیکن صرف وہ جسے میں غنی کروں تم مجھ سے ہی اپنی روزیاں طلب کرو اور یاد رکھو اگر تمہارے مردے اور زندے اگلے پچھلے تر بھیگے خشک و تر سب کے سب میرے کسی بندے کے انتہائی پرہیزگار دل پر جمع ہو جائیں تو ان سب سے میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

اور اگر تمہارے زندے، مردے، اگلے، پچھلے، بھیگے، بھیگے، جمع ہوں اور ہر ایک اپنی اپنی تمام امیدوں کا مجھ سے سوال کرے، اور میں سب کے سوال پورے کر دوں تو اس سے بھی میرے ملک میں کچھ کمی نہیں ہوگی، لیکن صرف اس قدر کہ ایک شخص کسی دریا میں اپنی سوئی ڈبو کے اور نکال لیتا ہے اور یہ اس لئے کہ میں ہی بخششوں والا بزرگ، برتر اور تمام مقاصد پر غالب ہوں، کرتا ہوں جو کچھ چاہتا ہوں۔

میرا دینا بھی صرف میرا کلام ہے اور میرا عذاب بھی صرف میرا کلام ہے میں جس چیز کا ارادہ کرتا ہوں، اس سے کہتا ہوں کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔

یہ ذاتی جلال و جبروت کا جو نظارہ تم اس کلام میں کرتے ہو کیا اس کی صداقت یقین کرنے کے بعد اپنی ہستی یا اپنے مکاسب و کمالات پر کبھی کوئی ناز کر سکتا ہے کیا اس کے بعد ایک سکنڈ کے لئے غرور گھمنڈ کی چنگاریاں کسی

دل میں چھلک سکتی ہیں اور کیا اس کے بعد پھر بھی کوئی مومن باشہ جاہ و عزت بقا و نمود کے لیے کرۂ ارض پر کوئی فتنہ اٹھا سکتا ہے آخر جب کہ ہم میں ہر ایک خطا وار ہے تو تقویٰ و طہارت پر کون دیوانہ مغرور ہو سکتا ہے حتیٰ کہ اس کی شہرت و صیت کی جد و جہد میں مبتلا ہو۔

جب کہ ارباب دول کی تمام تر تمدنیں صرف خدائے قیوم کے قبضۂ اقتدار میں ہیں تو کیسے ہائے زر پر سینہ تاننے والا احمق نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ہمارے تمام اکابر اسافل بڑے اور چھوٹے مل کر بھی خدا کی بارگاہ جلال میں پر پشہ کی برابر اضافہ نہیں کر سکتے تو پھر انسان مشتے از خاک انسان کس پر اکڑتا ہے۔

اس کی شان بے نیازی کا جب یہ حال ہے کہ وہ ہدایت و رشد کے باب میں بھی صرف توفیق اور اپنے ہاتھ کو کام کرنے والا بتاتا ہے تو ایک واعظ و مصلح کس بنا پر اپنے مساعی کو قابل قدر ہستی سمجھ سکتا ہے۔

آہ! کہ سب کچھ اسی کا ہے اور ہم محض محتاج و فقیر ہیں تو
پھر یہ خود بینی کیسی یہ زعم و پندار کیوں؟

یہی وہ حکم و مواعظ تھے جس نے آخیر میں روح ابوذری پر زہد عیسوی کا نقش کھینچ دیا بہر کیف یہ سب کچھ تھا اور اس سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان اطہر و قلب مزکی سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زاہدانہ فطرت کو ابھارتے رہتے تھے۔

لیکن آپ کی تمام تعلیم و ارشاد میں سب سے زیادہ خصوصی نظر اس پر ڈالنی چاہیے جہاں اسلام اپنی امتیازی شان کے ساتھ تمام ادیان

دل سے علیحدہ نظر آتا ہے۔

تم کو وسوسہ ہوتا ہوگا کہ اگر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم تھی تو پھر اسلام نے رہبانیت کی کیا مخالفت کی اور اسے قسیسوں اور راہبوں کی خود تراشیدہ امور میں کیوں شمار کیا۔

میں اسی سوال کے جواب کی طرف تمھیں متوجہ کرانا چاہتا ہوں۔ سلسلۂ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ زہد و تقویٰ اس کا نام ہے کہ آبادیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور بیابانوں میں نکل جانا چاہئے۔ اور وہاں کہیں تنہائی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں مصروف ہونا چاہئے۔ حضرت ابو ذر فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"راستوں سے ڈھیلے اٹھانا یہ بھی نیکی ہے۔ کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ بتا دینا یہ بھی صدقہ ہے کسی کمزور آدمی کی معاونت کرنی یہ بھی صدقہ ہے اور تیرا اپنی بیوی کی ساتھ ہم بستر ہونا یہ بھی صدقہ ہے"[1]

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (تعجب سے) پوچھا کہ حضور کیا بیوی کے ساتھ ہم خلوت ہونے میں صدقہ ہے؟ حالانکہ اس میں تو آدمی اپنے نفس کی خواہش پوری کرتا ہے کیا آدمی اپنی خواہش بھی پوری کرے گا اور اجر بھی پائے گا۔؟

سید الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا۔ اچھا بتاؤ اگر تم اس خواہش کو کسی ناجائز اور حرام طریقے سے پوری کرتے تو کیا یہ گناہ ہوتا حضرت ابو ذر نے کہا یقیناً

---

[1] مسند احمد ۱۲

آپ نے فرمایا۔ تو تم لوگ گناہوں کا تو خیال کرتے ہو لیکن نیکیوں کا نہیں، عموماً زاہدانہ زندگی گزارنے والے کسب و حرفت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، اور پھر جب انہیں دنیا کی ضروریات ستاتی ہیں تو حاجات کی تاب نہ لاکر بھیک مانگنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا کیا تم ایک ایسی بات پر بیعت کرو گے کہ اس کے بعد تمہارے لئے صرف جنت ہے؟"

حضرت ابوذر نے کہا! جی ہاں۔ اور میں نے ہاتھ پھیلا دیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے عہد لینا چاہتا ہوں کہ تم کسی آدمی سے کچھ نہیں مانگو گے، حضرت ابوذر نے کہا "بہت بہتر"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حتیٰ کہ وہ کوڑا بھی نہیں، جو تمہارے گھوڑے سے گر پڑے بلکہ تم اترو اور خود اٹھاؤ۔"[1]

ہمارے زمانے میں فقرا و درویشوں نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کر رکھا ہے کہ ہر وقت منہ چڑھا ہوا ہے، کسی نے کوئی بات بھی پوچھی تو اس کا جواب پیشانی پر بل دیتے ہوئے دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہرگز کسی قسم کی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر تمہارے پاس کسی مسلمان کے ساتھ سلوک کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے تو اپنے بھائی کے ساتھ بخندہ پیشانی ملو۔"[2]

---

[1] مسند احمد ۱۷

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں پر زہد کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ یکایک اپنے گھر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ بیوی بال بچے اقربا کی خبرگیری کا بالکل خیال نہیں کرتے حالانکہ یہ حرکت اس مقصد کے بالکل خلاف ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ انسان دنیا میں چند سال کے لئے جس کی مدت اس زمانہ میں ساٹھ ستر سے شاید زیادہ نہیں، محض آزمائش کے لئے اتارا گیا ہے اور اصلی آزمائش یہی ہے کہ تمام فتنوں میں مبتلا ہو کر بھی اپنے خالق ذوالجلال کو نہیں بھولتا، حضرت ابوذر فرماتے ہیں

"مجھے میرے محبوب نے وصیت کی کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا رہوں، اگرچہ اسے پورے طور پر انجام نہ دے سکوں[1] کہ یہ بہت مشکل ہے۔ بہرکیف جس قدر ممکن ہو۔ اسی میں سب کے ساتھ سلوک کرتا رہے)"

جذب و سرمستی اور اس کی حقیقت

تعلیم و تزکیہ کا یہی زرین سلسلہ تھا جو روز بروز حضرت ابوذر کے اصل جوہر کو چمکا رہا تھا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر لحظہ ہر وقت حضرت ابوذر کی حرکت و سکون پر نظر رکھتے تھے اور ادھر حضرت ابوذر کا یہ حال تھا کہ جو کچھ کہا جاتا اور جس وقت کہا جاتا فوراً ان کی روح اسے جذب کر لیتی اور اس سختی کے ساتھ اسے قبول کرتی کہ پھر دنیا کی کوئی قوت اس رنگ کو کسی طرح مٹا نہیں سکتی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ وہ خود اپنی ہستی مٹا بیٹھتے لیکن یہ بالکل ناممکن ہوسکتا تھا کہ جو رنگ ان پر چڑھا دیا گیا تھا وہ زائل تو کیا میلا بھی پڑتا

[1] مسند احمد ج ۱۱

مثلاً اسی زمانہ میں جب کہ آپ شروع شروع دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے ایک دن غصہ میں آ کر ایک صحابی (حضرت بلالؓ) کو ان کی غلامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔

یا ابن الامۃ | او لونڈی بچے

کہہ دیا۔ حضرت بلال سیدھے دربار نبوت میں پہنچے اور ابوذر پر دعوی دائر کر دیا کہ انھوں نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ اسی وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلبی ہوتی ہے حاضر ہوتے ہیں بارگاہ نبوت سے سوال ہوتا ہے۔

اَسَابَبْتَ فُلَانًا | کیا فلاں (بلال) کے ساتھ تم نے گالی گلوچ کی

ابوذر کا زندہ ضمیر جرم کے زہریلے جرثوم کو اپنے اندر اس صحت یابی کے بعد جو صحبت نبویہ سے حاصل ہوئی تھی چھپا نہیں سکتا تھا صاف لفظوں میں بغیر کسی تاویل یا اظہار اسباب کے اقرار کر لیا اور بولے۔

نعم | ہاں ایسا ہی ہوا ہے۔

حوادث و واقعات، مقدمات و معاملات کی تنقیح چھان بین میں کن احتیاطوں اور دقیقہ سنجیوں سے کام لیا جاتا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل فیصلہ صادر فرمانے کے پھر دریافت فرمایا۔

افنلت من امہ | کیا تم نے (بلال کی) ماں کے متعلق کچھ کہا۔

حضرت ابوذر نے اس کے جواب میں بھی دی۔

نعم | جی ہاں

کے ذریعہ قصور کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد ایک کنائی افضل عرب کو ایک حبشی

غلام کے مقابلہ میں غلاموں کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مشہور جملہ ملتا ہے۔

انک امرؤ فیک جاھلیۃ	تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت (گنوار پن) اب تک موجود ہے۔

اس کے بعد کتنا پر لطف فقرہ وہ ہے جسے امام بخاری اپنی جامع میں حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں، اپنے ہادی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے "جاہلیت" کے خطاب پانے کے بعد مجذوب ابوذر کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکل آیا۔

علی ساعتی ھذہ من کبر السن	کیا اس وقت بھی اتنی بڑی عمر میں (اب تک گنوار ہی ہوں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نعم	ہاں

طبقات ابن سعد میں اتنا اور اضافہ ہے کہ۔

ما ذھبت اعرابیتک بعد	اب تک تمہارا گنوارپن تم سے زائل نہیں ہوا ہے۔

اس زجر و توبیخ کے بعد آپ نے نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھانا شروع کیا کہ

"ابوذر! تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں (یعنی کسی کو اس کے محض غلام ہونے کے سبب سے ذلیل نہ سمجھو جس طرح اپنے بھائی کو ذلیل نہیں سمجھتے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تمہارے سپرد کر دیا ہے چاہئے کہ انہیں وہی کھانے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی کپڑے پہناؤ جسے تم پہنتے ہو۔

ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ مضطرب و عاجز آ جائیں"

اور اگر کبھی بضرورت تم کسی مشکل کام کی تکلیف انہیں دو تو ان کا

ہاتھ بٹاؤ ؎۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ابوذر کے کان میں ان لفظوں کو ڈال دیا لیکن اس کے بعد دیکھنے والوں نے ان کی برقی تاثیروں کو اس طرح دیکھا اور بار بار دیکھا کہ حضرت ابوذر گھر سے باہر نکلے ہیں غلام بھی ساتھ ہے۔ جو کپڑے اپنے بدن پر ڈالے ہوئے ہیں ٹھیک اسی قسم کا پیراہن غلام کے دوش پر پڑا ہوا ہے۔ لوگوں نے ٹوکا بھی کہ حضرت آپ نے جو چادر غلام کو دے دی ہے اگر اسے بھی آپ ہی اوڑھتے تو لباس مکمل ہو جاتا۔ مگر وہی ابوذر جو کبھی ایک آزاد غلام کو بھی لونڈی بچہ کہنے سے نہیں جھجکتے تھے اب کہتے ہیں۔

اجل! ولکن سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون۔

ہاں سچ کہتے ہو لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کھلاؤ اپنے غلاموں کو وہی کھانے جنھیں تم خود کھاتے ہو اور پہناؤ ان کو اسی کپڑے میں سے جسے خود پہنتے ہو۔

سچ کہا جس نے کہا ہے

ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولیٰ ~~ ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

ایں خرقہ کہ آلودہ ما فقط بخود نہ پوشید ~~ اے شیخ پاک دامن معذور دار ما را

تاثیر و تاثر، فاعل و قابل میں جہاں کہیں بھی ایسا منضبط و مستحکم رشتہ قائم ہوا، تسلیم و رضا جب کبھی بھی اس شکل میں رونما ہوئی جو فرمان رسالت اور جان ابوذر کے درمیان تھی تو آپ یقین کیجئے کہ اس کے بعد تسلیم تسلیم نہیں رہتی۔ اطاعت و فرماں برداری کا زینہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔

؎۱ مسند احمد، بخاری وغیرہ ۱۲

رضا اضطرار و مجبوری کے قالب میں ڈھل کر رفتہ رفتہ عشق اور عشق کے بعد جذب و وجد و ازخود رفتگی کی صورت میں ظاہر ہو کر بالآخر پیہم تزلزلیات صبر و قرار، عقل و ہوش ثابت ہوتی ہے۔

دنیا نے ہمیشہ اس کیفیت کو خواہ وہ کسی وجہ سے ہو جنون و دیوانگی سے تعبیر کیا ہے اور مذہب و تصوف کے محاورہ میں ایسے نفوس کو مجاذیب و بہالیل کا خطاب دیا گیا ہے۔

مجذوبوں کی اصل اور ان کا سرچشمہ

اگرچہ اتنے اہم مسئلہ پر کوئی قطعی رائے قائم کرنی مشکل ہے تاہم واقعات کی رہنمائی میں اس کا سراغ ضرور ملتا ہے کہ جس طرح آج اسلام کی مختلف شاخیں مختلف اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اسی طرح طائفہ مجاذیب و بہالیل جو فقراء کی مشہور جماعت ہے اس کے سنگِ خشتِ اول قرنِ صحابہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حالات موجود ہیں۔ اس کی کھلی نشانیاں تم اس میں ڈھونڈ سکتے ہو اور نہ صرف اس قدر بلکہ مجذوبوں کی اصل حقیقت پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات سے پوری روشنی پڑتی ہے۔ ایک معیار ملتا ہے جس پر زمانہ حال کے مجذوبوں کو جانچا جا سکتا ہے۔

آپ کی مجذوبانہ وضع

سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ آپ کی وضع اور ہیئت ہے۔ طبقات ابن سعد، مسند احمد وغیرہ دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بال پریشان رہتے تھے، داڑھی بالکل الجھی ہوئی رہتی تھی۔ خود اس میں کبھی کنگھی وغیرہ نہیں فرماتے ہیں۔ کوئی آدمی جب آپ کو اس حال میں دیکھتا تو پکڑ لیتا، نہلا دھلا

کپڑے بدل دیتا، بال جھاڑ دیتا۔

قبیلہ بنی ثعلبہ کا ایک شخص آپ کی نسبت یہ منقول راوی ہے۔

مر بنا شیخ اشعث ابیض الراس واللحیۃ فقالوا ھذا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستأذناہ ان نغسل راسہ فأذن لنا واستأنس بنا[1]

ایک بڈھا آدمی ہمارے سامنے سے گذرا جس کے بال اُلجھے ہوئے پریشان تھے۔ اور جو دیکھ سر اور داڑھی دونوں سفید ہو چکے تھے لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ہم نے پیش کر کے اجازت مانگی کہ ہم آپ کا سر دھوئیں انھوں نے اجازت دی اور ہم سے مانوس ہو گئے

کتاب کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں۔ ورنہ خیال آتا ہے کہ کوفہ یا بیت [illegible] کی مسجد میں ایک واقعہ اسی کے قریب پیش آیا۔

آپ کے حلیہ سے سراغ جذب

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آپ کا حلیہ بیان کرتے ہیں وہ اس پر تو متفق ہیں کہ آپ دراز قد لمبے بال والے تھے لیکن رنگ میں لوگوں کا اختلاف ہے، طبقات میں ایک جگہ ہے کہ آپ گندم گوں تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ سیاہ تھا[2]

عام محدثین اس تعارض کو جس طرح چاہیں دفع کریں لیکن میرے خیال میں تو یہی آتا ہے کہ اصل رنگ آپ کا گندم گوں تھا مگر جو اس درجہ سرمست و وارفتہ ہوا اس کا رنگ میل کچیل گرد دھوپ سے اگر سیاہ پڑ جاتا ہے تو کیا تعجب ہے؟

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۴ مطبوعہ لیڈن ۱۲

[2] طبقات صـ۱۲۱ ج ۴ ـ ۱۲

سڑکوں پر سجدے کرنا

خصوصاً جب روایتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے بعض شاگرد سڑکوں اور عام شاہراہوں پر سجدے کیا کرتے تھے جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ شاگردوں کی حرکت استاذ ہی کی تقلید ہوگی۔ اس لئے نقل کرتا ہوں کہ اس سے بھی آپ کی مجذوبانہ کیفیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

مسند احمد میں ہے ابو عوانہ اور سلیمان اعمش یہ دونوں کسی راستے سے گزر رہے تھے چلتے چلتے یہ سلسلہ جاری ہوا کہ انہوں نے مجھے قرآن سنانا شروع کیا۔ اور میں نے ان کو اس عرصہ میں جہاں سجدہ کی آیت آجاتی تو وہ سڑک ہی پر سجدہ میں گرجاتے۔ میں نے کہا۔

اتسجد فی السکۃ	کیا سڑک پر ہی سجدے کرتے ہو۔

اس کے جواب میں وہ بولے کہ میں نے ابراہیم تیمی سے سنا، وہ اپنے والد سے روایت کرتے تھے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ میں نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ روے زمین کی سب سے پہلی مسجد کون ہے؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام (کعبہ) میں نے عرض کیا پھر کون بنی آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ (بیت المقدس کی مسجد) میں نے عرض کیا دونوں کے تعمیر میں کتنا فاصلہ ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس سال[1]۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اینما ادرکتک الصلوٰۃ فصل فھو مسجد	جس جگہ بھی نماز کا وقت آجائے تم وہیں نماز پڑھ لو کہ وہی مسجد ہے۔

[1] حاصل غرض یہ ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد کی بنیاد تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد کی، بائبل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے تفصیل کے لئے تاریخ البرادان امروہوی دیکھنا چاہئے۔

اس حدیث سے مشرکوں پر سجدہ کرنے کی اجازت کا استنباط بظاہر حضرت ابوذر کی افتادِ طبع کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مشرک تو بہرحال کچھ نہ کچھ صاف ہوتی ہے اور سجدہ کے لئے زیادہ گنجائش کی ضرورت بھی نہیں۔

حضرت ابوذر کا تو یہ حال تھا کہ لیٹنے تک کے لئے وہ یہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کہاں لیٹ رہے ہیں، کس جگہ لیٹ رہے ہیں۔

نحو کے امام اول حضرت ابوالاسود دؤلی سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر اپنے ایک تالاب سے کھیتیوں کو پانی دے رہے تھے۔ چند مسلمان ادھر سے گزر رہے تھے، حضرت ابوذر کو دیکھ کر انہیں خیال آیا کہ کاش! ایسے مقدس بزرگ کے موئے مبارک ہاتھ آجاتے تو کیا اچھا ہوتا، آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اس کام کو انجام دے۔ ان میں سے کسی ایک نے اس مہم کا بیڑا اٹھایا اور بولا ہاں! میں اس کام کو کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تالاب پر پہنچا لیکن (بدقسمتی سے شاید اضطراب میں اس سے کچھ ایسی حرکت سرزد ہوئی) کہ تالاب کا کنارہ اس کی حرکت سے ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں تالاب کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور پھر بیٹھنے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اسی امرطوب کیچڑ سے بھری ہوئی زمین پر لیٹ گئے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حضرت یہ آپ یکایک بیٹھ کیا گئے؟ اور بیٹھنے کے بعد لیٹنے کیوں؟ حضرت ابوذرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ:

"اے شخص مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہئے کہ

۱؎ مسند احمد صفحہ ۱۵۲ ج ۵۔ ۱۲

ذرا بیٹھ جائے کہ اس سے غصہ جاتا رہتا ہے۔ ورنہ پھر
لیٹ جائے"۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر کو تالاب کے توڑنے
والے پر کچھ غصہ آ گیا تھا۔ اسی کے علاج کے لئے آپ بیٹھے، لیکن جذبات
غصہ تھا، نہ اترا لیکن محمدی جذب کا اثر دیکھو! کہ جذب کے ساتھ اس کا
بھی ہوش باقی ہے کہ ایسے موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہدایت ہے
اس پر عمل کرتے ہوئے آپ اسی زمین پر لیٹ جاتے ہیں، خدا جانے
اس کے بعد اس بیچارے نے جس مہم کے سر کرنے کا وعدہ اپنے رفیقوں سے
کیا تھا وہ سر ہوا بھی یا نہیں کہ روایت اس پر ختم ہو گئی ہے سمجھے تو اس
روایت سے صرف یہ دکھانا تھا کہ جو آدمی اتنی لاپروائی کے ساتھ تالابوں یا
کنووں کے کنارے کی مرطوب زمینوں پر اس طرح لیٹ جاتا ہو کیا بعید ہے
کہ سڑکوں پر سجدہ کرنے کا طریقہ شاگردوں نے اپنے اسی استاذ سے سیکھا ہو
واللہ اعلم بالصواب۔

وارفتگی اور استغراق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سفروں میں سب سے زیادہ دشوار زیادہ مشکل سفر تبوک کا
تھا۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ سے بھی اس کی شرکت میں زلت ہوئی۔ جس کے
واقعات عام طور سے مشہور ہیں۔ بہرحال اس غزوہ میں حضرت ابوذر بھی
شریک تھے۔ عام طور پر چونکہ امتحان اور جانچ کا موقع تھا۔ صحابہ ایک
دوسرے پر نظر رکھتے تھے کوئی آنکھیں بچا کر نکل تو نہیں جاتا ہے۔ اتفاق سے
حضرت ابوذر حسب عادت ایک دن قافلہ والوں سے پیچھے رہ گئے نگاہیں
نیچی ہوئی تھیں۔ فوراً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا" کہ ابوذر بھاگ گئے۔

بھاگ گئے ہ"

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشِ اقدس تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ پر حضرت ابوذرؓ کی وفا شعار فطرت آئینہ کی طرح واضح تھی۔ آپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یقین کر لیا تھا کہ ابوذرؓ کے سینہ میں جو دل ہے وہ کبھی ابوذرؓ کے پاؤں کو پیچھے ہٹا نہیں سکتا لیکن آپ مجبور تھے۔ اس وقت صحابہؓ کی ان چہ میگوئیوں کا کیا جواب دیتے صرف اس قدر فرما کر۔

"چھوڑ دو اس کو چھوڑ دو اگر اس کی ذات میں کوئی بہتری ہوگی تو خداوند تعالیٰ خود تم لوگوں سے ملا دیں گے ہ"

اس قدر فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا صبا کہہ چپ تھی۔ لیکن دل میں حضور کے یہ تمنا موجزن تھی کہ کاش ابوذرؓ ملنے میں جلدی کرتا۔ اور لوگوں کو جو اس کی جانب سے بدگمانی ہو گئی ہے وہ جلد دور ہو جاتی۔

آخر یہی ہوا کہ یکایک آپ کو ہوش آیا۔ اب جو دیکھتے ہیں تو قافلہ غائب ہے۔ نہ صحابہ کرام ہیں نہ وہ ہیں جن کو دیکھ لینے کے بعد ابوذرؓ پھر کسی چیز کو دیکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے بچھڑنے کا انہیں ادھر احساس ہوا۔ اور دل تھا کہ عجلت اور تیزی کی آرزوؤں میں ڈوب گیا اونٹ کچھ تو قدرتاً سست تھا۔ پھر تکیل کو ڈھیلی پا کر بہت زیادہ ڈھیلا ہو گیا تھا آپ نے ایڑ لگائی کوڑے لگائے۔ لیکن لوگ میلوں آگے نکل چکے تھے۔ ان کا پھر ملنا دشوار ہو گیا اور یہاں بے تابی حد سے زیادہ گزر رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیجئے۔ آخر تھک کر آپ اونٹ سے

اتر پڑے جو کچھ سامان سر پر لاد سکے لاد لیا۔ اونٹ کو مع پالان وغیرہ کے وہیں چھوڑ کر دوڑتے ہوئے تلاش محبوب میں قدم بڑھانا شروع کیا۔

انجام کار ہانپتے کانپتے قافلہ کے قریب آگئے کسی صحابی کی نظر پڑی کہ کوئی شخص پیادہ پا بعجلت تمام آ رہا ہے۔ لوگوں کو خیال تھا حضرت ابوذر تو اونٹ پر سوار ہیں اس لئے یہ کوئی اور شخص ہے فوراً غل ہوا کہ کوئی آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں نے اطلاع دی کہ جنگل میں کوئی اکیلا تن تنہا پیادہ پا آ رہا ہے۔ غرض کہ ہر شخص "کوئی آ رہا ہے، کوئی آ رہا ہے" کی آواز بلند کر رہا ہے۔

لیکن حضور نے جب دیکھا تو ارمان بھرے دل سے جو آواز نکلی وہ یہ تھی۔

کن ابا ذر کن ابا ذر — | ابوذر ہو جا۔ ابوذر ہی ہو

ان لفظوں میں کیا معنی ہے تم کو کیا معلوم، قتیلان ناز سے پوچھو کہ اس کلمہ میں کتنے مٹے ہوؤں کی جانیں پوشیدہ ہیں اللہ اللہ محبت ابوذر کی اس حسرت کو دیکھ کر رحم آتا ہے۔ اور یوں زندہ کیا جاتا ہے۔ ابوذر اپنی ہستی کو کھو بیٹھے تھے۔ اور جو اس طرح اپنی ہستی کو کھوتا ہے وہ یوں ہی پا جاتا ہے اور لباس وجود دوبارہ اسے اسی طرح پہنایا جاتا ہے۔ ؎

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا خاک کا رزق ہے وہ قطرہ جو دریا نہ ہوا

نہیں ہو سکتا تھا کہ اس مرحلہ پر ایسا وارفتہ فنا نگیں اور دوسری طرف گم ہونے والا ابوذر پھر پیدا نہ ہو۔ آخر یہی ہوا۔ چند ہی منٹ کے بعد صحابہ میں غل ہوا کہ "ابوذر ہی ہیں" "ابوذر ہی ہیں"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا یہ سنتے ہی آپ حضرت ابوذر کی

طرف ایک رحم انگیز نگاہ ڈالتے ہوئے یہ الفاظ فرمانے لگے۔

رحمہ اللہ ابا ذر یمشی وحدہٗ	اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائیں۔ بیچارہ اکیلا چلتا ہے
ویموت وحدہٗ ویبعث وحدہٗ [سلہ]	اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا

مجذوبانہ لباس

آپ کسی خاص لباس کے رہین منت نہ تھے۔ جو جس قسم کا کپڑا پہنا دیتا پہن لیتے۔ کبھی کبھی لوگوں نے حلّہ قطریہ کو آپ کے جسم مبارک پر دیکھا ہے۔ جو عرب کے بہترین لباسوں اور جوڑوں میں خیال کیا جاتا تھا۔ اور کبھی نہایت ہی خستہ و شکستہ خرقہ و گودڑ میں پھرتے۔ نہ آپ کو اس کی خوبصورتی اور شان کی کوئی پرواہ تھی۔ اور نہ ان ذلیل کپڑوں کی وجہ سے آپ دل تنگ ہوتے تھے۔

کبھی کوئی کپڑا نہ ملتا تو کمبل ہی اوڑھ کر باہر نکلتے، ایک دن آپ بدووں کا سا کمبل ہی اوڑھے ہوئے تشریف لے جا رہے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ "آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا" جواب میں فرمایا "اگر ہوتا تو تم اس کو ضرور میرے بدن پر دیکھتے۔ اس شخص نے کہا "کل دو دن ہوتے ہیں کہ آپ پر میں نے نہایت عمدہ جوڑا دیکھا تھا (وہ کیا ہوا؟) بولے کہ "تھا تو! لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا جو اس کا محتاج مجھ سے بھی زیادہ تھا۔ اس لئے اس کے حوالہ کر دیا۔"

اس شخص نے کہا" کہ ہرگز نہیں آپ سے زیادہ محتاج اس کپڑے کا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا (یعنی جس شخص کے پاس بجز پھٹے پرانے کمبل کے اور کچھ نہ ہو اس سے زیادہ اور کون محتاج ہو سکتا تھا)"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کی ضد کو دیکھ کر آگ بگولہ

لہ مصالح زاد المعاد ۵۹ ۲ہ مسند احمد ج ۱۲

ہوگئے اور نہایت گرفت لہجے میں فرمانے لگے "خدا تجھے بخشے تو دنیا کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کیا میرے جسم پر یہ چادر نہیں (یعنی کمبل ہی کی ہے، لیکن ہے تو) اور اس شخص کے پاس تو یہ بھی نہ تھی۔) اور کیا ایک چادر نماز پڑھنے کے لئے میرے پاس نہیں"۔ پھر فرمایا۔

"اے شخص! میرے پاس بکریاں ہیں جن کا میں دودھ پیتا ہوں اور میرے پاس گدھے ہیں جن پر بازار کی چیزیں خرید کر لاتا ہوں، غلام ہیں جو میری خدمت کرتے ہیں اور کھانے پکانے میں میری مدد کرتے ہیں اور ہاں عید، بقرعید کے لئے ایک عبا بھی میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ پس تم خود انصاف کرو کہ ان نعمتوں سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہوسکتی ہے؟ بلکہ جو عبا میرے پاس زاید ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے اس کا محاسبہ[1] نہ ہو۔

بستر مبارک عموماً سونے لیٹنے بیٹھنے کے لئے ٹاٹ استعمال فرمایا کرتے تھے، کسی نے عرض کیا کوئی نرم گدا اپنے لئے کیوں نہیں بنوالیتے ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے۔

"خدایا دنیا میں تو نے جو چیزیں اپنی مرضی سے عطا کی ہیں، میں
اس کے متعلق بھی مغفرت کا طلب[2] گار ہوں"

غالباً مطلب یہ تھا کہ نعمتوں کا لینا آسان نہیں۔ نعمت کے بعد اس کے حقوق جو منعموں پر عاید ہوتے ہیں، مشکل ہے بھول جانے والے ناقدر انسان کا ان حقوق سے عہدہ برا ہونا مشکل ہے، کس حد تک اس کا شکر ادا کرسکا۔ اپنے دوسرے ہم جنسوں، قرابت داروں، عزیزوں کے جو حقوق اس پر پیدا ہوگئے

---

[1] طبقات ابن سعد ۲، حلیۃ الاولیاء [illegible] ۱۲

کہاں تک اسے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک طرح سے پہنچا سکا پس سچ تو یہ ہے کہ ہر نعمت کے بعد بھی تعمیرات کے عذر بھی اسی قدر کرنے چاہئیں جتنی ہماری تعمیریں ہیں۔

آپ کی عبادت پر جذب کا اثر

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے متعلق یہ گمان کہ وہ نماز، روزہ یا دیگر شرعی تکلیفات سے آزاد ہو گئے ہوں گے ان کی کیفیت کو ناقص اور غیر مکمل بنا دیتا ہے۔ نماز کی پابندی تو اور بات ہے یہ بھی کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ انھوں نے وقت سے ٹال کر کوئی نماز پڑھی ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی کے ساتھ ان کو وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید کی تھی۔

آپ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے کہ کونسا عمل افضل ہے تو آپ یہی فرماتے کہ وقت پر نماز پڑھنی[1] ورنہ صرف اس قدر بلکہ آپ نے تاکید کی تھی کہ ابوذر! اگر امرا نماز میں تاخیر کریں اور وقت سے ٹال کر پڑھیں تو تم اپنی نماز وقت پر پڑھ لیا کرو اور پھر ان کے ساتھ مسجد میں آکر شریک ہو جاؤ۔ یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔[2]

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوذر پر باوجودیکہ جذب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا لیکن آج تک کسی روایت سے باوجود تجسس کے مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ سے کسی وقت کی نماز چھوٹی ہو۔ ہاں اس کے برخلاف البتہ روایتیں ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو نہانے کی ضرورت ایسے مقام پر ہوئی کہ وہاں پانی

[1] مسند احمد ۱۲ [2] طبقات ابن سعد ۱۲

موجود نہ تھا۔ تیمم کا مسئلہ آپ کو چونکہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے دوڑتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر چلانے لگے۔

هلكت يا رسول الله | میں تباہ ہو گیا یا رسول اللہ

آپ نے پوچھا "کیوں کیوں" ؟ بولے کہ "میں جہاں تھا وہاں میرے ساتھ میری بیوی بھی تھی۔ مجھے نہانے کی ضرورت ہوتی اب کیا کرتا۔ نماز قضا ہوئی" گویا اسی کو اپنی ہلاکت سے تعبیر کر رہے تھے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیمم کا طریقہ بتایا۔

نماز چھوڑتے تو کہاں تک۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ نماز کے مسئلہ میں آپ کا انہماک اس درجہ پر پہنچا ہوا تھا کہ خود ہی فرماتے ہیں۔ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز کے بعد بھی اٹھنا نہیں چاہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اپنی قیام گاہ کی طرف اٹھ کر چلے گئے جب آپ نے اچھی طرح اندازہ کر لیا کہ لوگوں کی آنکھیں لگ گئیں (یعنی بند ہو گئیں۔ لوگ سو گئے) اور سناٹا ہو گیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس مقام پر تشریف لائے جہاں عشاء کی نماز پڑھائی تھی اور تنہا نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں تاک میں تھا جھپٹ کر آیا اور نیت باندھ کر حضور کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ میرے داہنے جانب کھڑے ہو جاؤ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ابن مسعود بھی (زیر عتاب اسی فکر میں کہیں چھپے بیٹھے تھے) وہاں پہنچے۔ چاہا کہ کھڑے ہوں۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ بائیں جانب کھڑے ہو جائیں۔ حضرت ابو ذر کہتے ہیں اس کے بعد ہم دونوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی

صرف ایک ہی آیت کو دہرانا شروع کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضور روتے جاتے تھے۔ بہرحال حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ "حضورؐ نے اسی ایک آیت کو اتنی بار دہرایا کہ صبح کا سپیدہ طلوع ہوگیا۔ اور لوگوں کے ساتھ آپ نے نماز فجر ادا کی۔ ہم اور ابن مسعود اس کے بعد جب آپس میں ملے تو میں نے ابن مسعود سے کہا کہ حضور سے پوچھئے کیوں نہیں کیا کہ رات آپ یہ کیا شغل فرما رہے تھے۔" عبداللہ بن مسعود نے ہاتھ ہلا کر کہا نہیں بھائی میں کوئی بات حضور سے خود نہیں عرض کرسکتا۔ جب تک آپ ہی اس کے متعلق کچھ نہ فرمائیں۔ تب میں نے خود جرأت کی (اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذر کو بارگاہ نبوت میں اس سے زیادہ فراخیاں حاصل تھیں کہ جس طبقہ سے آپ کا تعلق تھا ان معاملات میں ان کے ساتھ عموماً نرمی ہی کا برتاؤ کیا جاتا ہے)

بہرحال دل مضبوط کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جیسا کہ ان لوگوں کے متعلق مشہور ہے کہ "در کار خویش ہشیار" اس سے نہیں چوکتے۔ بڑے مزے سے تمہید اٹھاتے ہوئے عرض کرتے ہیں

بابی انت وامی قمت بایۃ من القرآن ومعک القرآن	آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ نے ایک ہی آیت کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ آپ کو پورا قرآن یاد ہے

اس کے بعد فرماتے ہیں اور کتنے معصومانہ لہجے میں فرماتے ہیں۔

لو فعل ھذا بعضنا لوجدنا علیہ	اگر ہم میں سے کوئی اور آدمی یہ کرتا تو ہم اس سے بگڑ جاتے۔

اس کے جواب میں امت مرحومہ کے رؤف و رحیم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جو کچھ فرمایا خدا جانے کتنوں کو دیوانہ بنانے کے لئے کافی ہے۔ ارشاد ہوا۔

"اپنی امت کے لئے گڑگڑا رہا تھا"

حضرت ابوذر کی زبان کھل چکی تھی اب کیا رکتی۔ سوال آگے بڑھا۔ پوچھنے لگے کہ

"تو پھر آپ کو کیا جواب ملا؟ اور حق تعالیٰ نے کیا فرمایا"

گناہگاروں کے شفیع، آقائے کرم گستر نے اس کے جواب میں فرمایا

"مجھے وہ جواب ملا کہ اگر اس کی بھنک بھی لوگوں کو مل جائے تو لوگ نمازیں چھوڑ بیٹھیں"[1]

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت دوسرے حال میں تھے جوش سے سینہ معمور تھا۔ عالم سرمستی میں بولے۔

"تو کیا دنیا کو یہ بشارت سنا دی جائے"؟

رحمۃ للعالمین کا سمندر بھی اپنی انتہائی مد اور چڑھاؤ پر تھا ارشاد ہوا کہ بلی۔ کیوں نہیں

بلی کی آواز میں بلا کی طاقت تھی سننا تھا کہ ابوذر اٹھے اور اس مژدے کے اعلان عام کے لئے چل پڑے کہتے ہیں کہ جا ہی رہا تھا اور اتنی دور پہنچا تھا جہاں تک کسی پتھر پھینکنے والے کا پتھر پہنچ سکتا ہے کہ اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور دربار رسالت میں عرض کرنے لگے۔

اگر لوگوں کے پاس یہ بشارت بھیجی جائیگی تو وہ عبادت سے روگردان ہو جائیں گے۔	انک ان تبعث الی الناس بھذا تکلوا عن العبادۃ

[1] بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ میں اپنی امت کی شفاعت کر رہا تھا اور میری امت میں جو شرک سے بچا رہا ہو اس شفاعت کو پا کر رہے گا یعنی من مات لا یشرک باللہ شیئاً مستحق ہے ۱۲

اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو آواز دی کہ "واپس ہو جاؤ" وہ واپس ہو گئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قصہ کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ وہ آیت جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر تکرار فرماتے رہے وہ یہ تھی۔

ان تعذبھم فانھم عبادک	اگر آپ انہیں سزا دیں گے تو یہ آپ کے بندے
وان تغفرلھم فانک	ہیں اور اگر بخش دیں گے تو آپ سب پر غالب
انت العزیز الحکیم	(اور جناب سے پوچھے والا نہیں) اور حکمت والے ہیں

اگرچہ قرآن میں یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی ادا کی گئی ہے۔ لیکن مسیح اگر اپنے خداؤں کے ماننے والوں کے لئے یہ عرض داشت بارگاہ رب العزت میں پیش کر سکتے ہیں تو ظاہر کہ اللہ احد کی پوجنے والی امت کے متعلق رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے پیش کرنے سے کیوں جھجکتے۔

بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بشارت کی تبلیغ سے روک دیئے گئے۔ لیکن خود ان تک تو یہ بشارت پہنچ چکی تھی پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ خود ہی فرماتے ہیں اور غالباً اس واقعہ کے بعد فرماتے ہیں۔

"رمضان کا آخری عشرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہو گئے، پانچویں کی عصر کی نماز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہوئے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہم آدھی رات تک ان شاء اللہ قیام کریں گے پھر تم میں جس کا جی

ے البیہقی اور حلیۃ الاولیاء میں ان دو روایتوں کو دیکھا جا سکتا ہے شرح بیہقی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نہ صرف قیام ہی میں بلکہ رکوع و سجود الغرض نماز کی ہر حیثیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی آیت کو دہراتے تھے۔

چاہے وہ میرے ساتھ قیام کرسکتا ہے۔ اور پچیسویں کی شب تھی نماز عشاء کے بعد حضور نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی یہاں تک کہ رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا۔ اس وقت تشریف لے گئے۔ پھر چھبیسویں کی رات آئی اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز نہیں ادا کی چھبیسویں کی نماز عصر کے بعد پھر ارشاد فرمایا انشاء اللہ میں رات قیام کروں گا۔ تم میں سے جس کا جی چاہے وہ قیام کرسکتا ہے۔ یہ ستائیسویں کی رات تھی۔ تہائی رات گزرنے تک یہ نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی رہی۔ چھبیسویں کی رات آئی تو آپ نے کچھ نہیں فرمایا لیکن اسی چھبیسویں کی عصر کے بعد پھر فرمایا کہ آج شب کو بھی انشاء اللہ میں قیام کروں گا۔ یعنی ستائیسویں کی شب میں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا جی چاہے وہ قیام کرسکتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی

فجعلنا للقیام | ہماری مقبولیت کے ساتھ ہم لوگ قیام کے لئے تیار ہوئے

فرماتے ہیں کہ آج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی دو تہائی حصہ تک قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ نماز سے فارغ ہو کر اپنے اس قبہ میں تشریف لے گئے۔ جو مسجد ہی میں آپ کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ میں نے جا کر عرض کیا۔

کنا لقد طمعنا یا رسول اللہ ان تقوم بنا حتی تصبح | یا رسول اللہ ہم لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ آپ آج کی رات صبح تک ہم لوگوں کے ساتھ قیام فرمائیں۔

اگرچہ اس کے جواب ۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کی یہ تشفی فرما دی۔

یا اباذر انک اذا صلیت مع امامک وانصرفت اذا انصرفت کتب لک قنوت لیلتک

ابوذر جب تم اپنے امام کے ساتھ اس نماز (عشاء) کو ادا کرو اور امام کے ساتھ تم بھی نماز سے فراغت حاصل کر لو تو تمہارے لئے شب بھر کے قنوت (قیام لیل) کا ثواب لکھا گیا۔

لیکن مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے وہ جو عبادت حق کو اپنے وجود کا نصب العین اور قیمت قرار دے کر جبراً نہیں بلکہ شکراً اپنی تمام عاجزانہ اعترافات کے ساتھ مالک کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا اثر یقیناً ان اثرات سے مختلف ہوتا ہے اور ہونا چاہئے جو ان پر مترتب ہو سکتے ہیں۔ جن کی نارسائیوں نے اب تک ان کو اس کے سمجھنے کا موقع نہیں دیا کہ جب سب کچھ انسان کے لئے ہے تو آخر انسانی وجود بھی اپنے اندر کوئی مقصد رکھتا ہے یا نہیں۔ اور آہ! کہ رب کو بھلا دینے والوں میں کیا کیجئے کہ ان ہی کی زیادہ کثرت ہے جنہوں نے خود اپنے آپ کو اپنے حافظے سے باہر کر دیا ہے۔ وہ عالم کی ہر چیز کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ کس لئے ہے۔ ہوا کس لئے ہے۔ پانی کس لئے ہے۔ برق کس لئے ہے اور اسٹیم کس لئے ہے لیکن افسوس ہے ان پر کہ انہوں نے کبھی اپنے متعلق نہیں پوچھا کہ خود ہم کس لئے ہیں۔ پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر اس بشارت کی بھنک بھی ان کو مل جائے گی تو وہ عبادت ترک کر بیٹھیں گے۔ یا جس کی تصدیق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی کہ وہ عبادت سے بیٹھ رہیں گے۔ یقیناً اس کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو انسانی ہستی کو سلسلہ موجودات کی ایک سرمدی اور عبث ترین ہستی ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ ورنہ

آپ نے دیکھا کہ ابو ذر ان بشارتوں کو سنتے بھی جاتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتے بھی جاتے ہیں کہ ہماری آرزو تو یہ تھی کہ آج حضور ہم لوگوں کے ساتھ صبح تک قیام فرماتے۔ یہ ہے جذب کی وہ حقیقی قسم جس میں انسان کھنچتا ہے اپنی تمام آرزوؤں اور خواہشوں سے۔ کھنچتا ہے اور اس طرح کھنچتا ہے کہ بجز مرکز وجود کے اس کے لئے پھر کہیں چین نہیں۔ اور یہی معنی ہیں مجذوب کے کہ سب سے کھنچ کر صرف ایک ہی کے اندر جذب ہو کر وہ رہ گیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ۔

بہرحال نماز آپ سے کبھی نہیں چھوٹی۔ اور نہ فرائض میں کسی قسم کی بے اعتدالی آپ سے منقول ہے۔ ہاں نوافل میں بھی کبھی جوش و سرمستی غلبہ حال کے وقت بعض ایسی باتیں آپ سے سرزد ہو جاتی تھیں۔ جہاں جذب کا رنگ آپ کو تمام صحابہ سے ممتاز کر دیتا تھا۔

زید بن مطرف کہتے ہیں کہ ہم ایک قریشی حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص آیا اور نمازیں پڑھنا شروع کیں۔ میں نے جو غور کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہوا پھر رکوع میں گیا اور سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا اسی طرح پھر سجدہ میں گیا اور بغیر قعدہ یعنی بیٹھنے کے پھر کھڑا ہو گیا الغرض وہ صرف رکوع سجدے کر رہا ہے لیکن قعدہ نہیں کرتا (حالانکہ ہر دوسری رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے) اس لئے زید نے کہا کہ یہ کون شخص ہے اس کو اس کی بھی خبر نہیں کہ جفت رکعتوں پر سلام پھیرنا چاہئے یا طاق پر۔

لوگوں نے کہا کہ بیچارہ اگر غلط پڑھ رہا ہے تو تم جا کر بتا دو۔

زید اٹھے۔ قریب آئے اور کہا۔

"خدا کے بندے! آپ کو اس کی بھی خبر ہے یا نہیں کہ کہاں پہ

سلام پھیرنا چاہیئے اور کہاں بیٹھنا چاہیئے جنت پر یا طاق پر؟
اس شخص نے کہا۔

"اگر مجھ کو اگر خبر نہیں ہے تو خدا کو خبر ہے اور میں ان باتوں کو
نہیں جانتا میں نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا
ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے
تین کام کر دیتے ہیں۔

(۱) ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں (۲) ایک نیکی لکھ دیتے ہیں (۳) ایک درجہ بلند
کر دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ حساب و کتاب سے ہم واقف نہیں۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی یہ تعریف کی ہے۔ پس ہم سجدے کرتے
رہتے ہیں۔ دل گن کر یہ سمجھنا کہ اب ہم اتنے کے حقدار ہو گئے ہیں اس کی
ضرورت نہیں ہے

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

زید کو آپ کی اس قسم کی باتوں سے حیرت ہوئی پوچھنے لگے کہ آپ ایسا
کون صاحب ؟

حضرت نے فرمایا۔ ابوذر۔

یہ سننا تھا کہ زید کے ہوش اڑ گئے اور اپنی مجلس کے لوگوں کو یہ کہتے
ہوئے واپس ہوئے

"تم لوگ نہایت برے ساتھی ہو مجھے تم نے اس لئے بھیجا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو تعلیم دوں[1]"

---

[1] مسند احمد ۱۶۴

الغرض کبھی کبھی نوافل میں حضرت ابوذرؓ سے اس قسم کی بے ضابطگیاں ضرور ثابت ہیں اگرچہ وہ اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ تاہم حضرت ابوذرؓ کا جو حال تھا اس کو پیش نظر رکھنے کے بعد علمائے شریعت بھی اس کے متحمل ہوسکتے ہیں اور اگر آج بھی کسی کا وہی حال ہو جائے جو ابوذرؓ کا تھا۔ اور پھر ایسے شخص سے نوافل وغیرہ میں اس قسم کی باتیں سرزد ہوں تو اس پر نکیر نہیں کرنا چاہئے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ کی زندگی میں جس نوعیت کے واقعات ملتے ہیں اگر ان کی توجیہ اس بنیاد پر نہ کی جائے جو میرا خیال ہے تو شرعاً پھر اس کی تصحیح کی کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی

جمعہ کی نماز یا خطبہ میں کلام

نہ صرف نماز بلکہ جمعہ کے خطبہ میں بھی کلام کرنا ناجائز ہے اور فقط کلام ہی نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز کے متعلق ایک مشہور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب تم میں کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اس کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ رحمت الٰہی اس کے سامنے ہے پھر کنکری تک نہ ہلاؤ"[1]

اسی طرح خطبہ جمعہ کے متعلق بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ آدمی کنکر بھی نہ کھیلے لیکن سنئے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال سنئے۔ ابتدائے اسلام کا واقعہ نہیں ہے جس وقت نماز وغیرہ میں کلام اور حرکت کی ایک حد تک اجازت تھی بلکہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ سورہ برأت جو قرآن مجید کی آخری سورتوں میں ہے اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے نازل ہونے کی بھی خبر نہیں ہوئی تھی گویا ان ہی دنوں یہ

---

[1] مسند احمد ۱۲

اتری تھی۔ بہر حال اسی نماز کا یہ عجیب واقعہ ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جمعہ کا دن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت خطبہ پڑھ رہے تھے میں مسجد میں داخل ہوا اور اُبی بن کعب کے پاس بیٹھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ براءت پڑھنی شروع کی (روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ہی میں یہ سورۃ پڑھنی شروع کی یا نماز میں) حضرت ابو ذر فرماتے ہیں کہ میں نے اُبی سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی لیکن وہ خاموش رہے اور کچھ نہ بولے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اُبی سے پوچھا کہ تم نے بھائی مجھے جواب کیوں نہیں دیا۔ اُبی نے اس کے جواب میں کہا۔

ما لك من صلوتك اليوم الا ما لغوت | تم کو اپنی نماز سے لغو گوئی کے سوا کچھ نہ ملا۔

حضرت اُبی کی زبان سے یہ فتویٰ سنتے ہی حضرت ابو ذر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے۔

كنت بجنب أبي وانت تقرأ براءة فسألته متى نزلت فتجهمني ولم يكلمني ثم قال ما لك من صلاتك الا ما لغوت۔

میں اُبی کے پہلو میں تھا آپ نے سورۂ براءت پڑھی، میں نے اُبی سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی تو مجھ سے منہ بنایا اور مجھ سے نہ بولے پھر نماز کے بعد کہا کہ تم کو اپنی نماز سے لغو گوئی کے سوا اور کچھ نہ ملا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب سن کر صرف اس قدر فرمایا۔

صدق أبي | اُبی نے سچ کہا

سوال یہ ہے کہ حضرت ابو ذر جمعہ کی نماز میں اس وقت مسجد میں آتے ہیں

جب خطبہ شروع ہو چکتا ہے حالانکہ تبکیر یعنی سویرے آنے کی جمعہ کی نماز میں سخت تاکید ہے اور علوما عہد نبوت بلکہ عہد خلافت راشدہ میں بھی تاخیر کرنے والوں سے باز پرس ہوتی تھی۔ اس کے سوا اگرچہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوذر کی یہ گفتگو نماز میں ہوتی لیکن حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا۔

مالک من صلاتک الا ما لغوت | تم کو اپنی نماز سے صرف لغو گوئی ملی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغو گوئی نماز میں واقع ہوئی تھی۔ نیز حضرت ابوذر کا یہ کہنا کہ کنت بجنب ابی (میں آپ کے پہلو میں تھا) بظاہر اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نماز ہی کا ہے اور نماز کا نہ بھی ہو تو خطبہ میں ہونا تو اس کا قطعی ہے۔ اور کلام کے عدم جواز کا حکم جس طرح نماز میں ہے خطبہ میں بھی ہے۔ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز جمعہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے مالم یلغ[1] (لغو گوئی سے جب تک پرہیز کرتا رہے) کی قید لگاتے تھے۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام امور کے مرتکب ہوئے اور بارگاہ نبوت سے اگرچہ حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے کی توثیق ہوئی لیکن ابوذر کو بھی کچھ سمجھا یا گیا۔ کوئی سرزنش کی گئی کچھ پوچھا گیا۔ روایت اس سے ساکت ہے۔ ایسی صورت میں بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ابوذر جس حال میں تھے اس میں ان امور کی گنجائش تھی واللہ اعلم بالصواب۔

امامت کیلئے پیش قدمی | قطع نظر اس کے کہ شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ کسی دوسرے کی مسجد یا دوسروں کے گھر میں بغیر اس

---

[1] مسند احمد ص ۱۳۴ ج ۲۔ ۱۲

مسجد کے امام اور مالک خانہ کی اجازت کے امامت کے لئے خود پیش قدمی نہ کرنی چاہئے۔ یوں بھی آدمی دوسرے کے گھر میں امامت سے شرماتا ہے خود ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ امامت کرنے کا خواہ مخواہ شوق بھی تھا ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جب ربذہ جس کا ذکر آئندہ آتا ہے پہنچے وہ ایک معمولی جگہ تھی۔ اونٹوں کا چرانے والا ایک حبشی غلام چند لوگوں کے ساتھ نماز پڑھایا کرتا تھا حسب دستور وہی امامت کے لئے آگے بڑھا لیکن حضرت ابوذر کو دیکھ کر پیچھے ہٹا۔ اور اشارہ کیا کہ آپ آگے بڑھیں۔ لیکن آپ نے فرمایا، کما انت۔ جس طرح ہو کھڑے رہو یعنی امامت کراؤ۔

ایک اونٹ چرانے والے کے ساتھ آپ کا یہ حال ہے۔ اب عالم وارفتگی کا ایک واقعہ سنئے۔ انصاریوں کے ایک آزاد کردہ غلام ابو سعید نامی نے حضرت ابوذرؓ عبداللہ بن مسعودؓ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دعوت کی نماز کا وقت آیا تو مالک خانہ کے بغیر اجازت کے بڑے بڑے صحابیوں کے ہوتے ہوئے حضرت ابوذر خود ہی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے۔ حضرت حذیفہؓ نے ٹوک دیا فرمایا ابوذر پیچھے ہو جاؤ۔ یعنی مالک خانہ کی اجازت کے بغیر تم خود کیسے آگے بڑھ گئے اب ہوش آیا پلٹ کر حضرت ابن مسعود سے پوچھتے ہیں أكذلك ابن مسعود۔ کیا مسئلہ یونہی ہے ابن مسعود۔ انھوں نے فرمایا ہاں۔ سنتے ہی آپ پیچھے ہو گئے (بیہقی صفحہ ج ۳) کیا حضرت ابوذر کے ان حالات کی یہ تاویل کی جائے تو یہ کیا مان لیا جائے وہ بھی اس زمانہ کے ان عالموں میں تھے جن کو خواہ مخواہ امامت کا شوق ہوتا ہے۔

اس قصہ کو ہوش و حواس رکھتے ہوئے اگر کوئی ان باتوں کا ارتکاب کرے گا خواہ نقل ہی کیوں نہ ہو تو یہ یقیناً ناجائز ہے کہ دین کے ساتھ تلاعب

واہو کے مرادف ہے۔

الحاصل ان چند واقعات کے درج کرنے سے میرا مقصود صرف اس قدر ہے کہ حضرت ابوذر کو میں نے جو کچھ سمجھا ہے دیکھنے والے غور کریں کہ آیا اس کا کوئی منشا ہے بھی یا نہیں۔

اور اسی سلسلے میں اپنے دعوی کو زیادہ موثق و وزن دار بنانے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت بھی اسی کے تحت میں درج کئے دیتا ہوں۔ اس سے آپ کی علمی وسعت و تبحر کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت

کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ حضرت ابوذر کو کیا خیال فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

وعی علما عجز فیہ | (محفوظ کیا ایک علم کو جس کے پانے سے وہ عاجز ہو گئے)

عموماً علمائے حدیث اس جملہ کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد خود متحیر ہو گئے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔[1]

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ بعضوں کا خیال ہے "کہ جو کچھ ان کے پاس تھا اس کو ظاہر نہ کر سکے"۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ "جس علم کو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے اُسے حاصل نہ کر سکے"۔ واللہ اعلم امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کا واقعی مقصد کیا ہے۔

لیکن میرے نزدیک تو اس جملہ کا مطلب بالکل کھلا ہوا ہے

---

[1] حتی کہ شیخ ابو عمرو بن عبد البر کو جب عجز فیہ کی کوئی صحیح توجیہ نہ معلوم ہو سکی تو انھوں نے استیعاب میں عجز فیہ کے لفظ کو عجز عنہ سے بدل دیا ممکن ہے نسخوں یا طباعت کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہو گیا ہو ورنہ عام طور سے یہی جملہ پایا جاتا ہے۔ استیعاب ج ۲۔ مطبوعہ حیدرآباد

اور ان کا رشد و واقفیت سے وہ بہت زیادہ قریب ہے۔ تفصیل اس کی
یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
جو کچھ سیکھتے تھے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے عموماً وہ علوم
ایسے ہوتے تھے جن کو براہ راست عمل سے تعلق تھا۔ کیونکہ اعتقادات کے
باب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اجمال و ایمان بالغیب کے
مضبوط و محفوظ اصول کو پیش نظر رکھا۔ جو کچھ بھی تفصیل کی وہ محض عملیات
کی کی۔ ماسوا اس کے عام طور پر عقائد کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ صرف
ماننے اور ایمان لانے کی چیزیں ہیں۔ عمل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے
میرے نزدیک یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ظاہری اعمال کی پابندی یقیناً ایک
بڑی آزمائش اور شریعت کا اہم مطالبہ ہے لیکن عقائد صحیحہ جن کو ہم علوم
صحیحہ بھی کہہ سکتے ہیں ان کو اپنے اندرونی احساسات یقین و اذعان کے
ساتھ وابستہ کرنا اور ان کے مقابل جو باطل اور کاذب علوم ہیں ان کو مٹانا
جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے اعمال جوارح سے یہ زیادہ مشکل ہے۔ بہرحال
عقائد ہوں یا اعمال عمل کی دونوں میں ضرورت ہے۔

حضرت ابوذر میں قبول و اثر پذیری کا مادہ جتنا تیز تھا وہ تم ان کے
اور واقعات سے خود بھی اندازہ لگا سکتے ہو یہی وجہ ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم سے یہ جو کچھ سنتے تھے ٹھیک اسی طرح اس پر عمل کرنے کے لئے
آمادہ ہو جاتے تھے۔ بلا کسی چون و چرا کے جس طرح آپ سے سنتے کوشش کرتے
کہ اسی طرح ہم اسے ادا بھی کر دیں وہ چاہتے تھے کہ میرا عملی نقشہ پر
پورے طور سے منطبق ہو جائے

اس باب میں ان کو اس قدر غلو اور تشدد تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی

قوت بھی اگر اس معاملہ میں آڑے آجاتی تو آپ کو اس کی بالکل پروانہ ہوتی تھی۔ واقعات مشہورہ اصحابہ چند تذکیر مرتے دم تک ان کو اس مرکز ثقل سے ہلا نہ سکی۔ حتیٰ کہ اپنے اسی امتیاز پر آپ کبھی ناز بھی کرتے فرماتے کہ

"لوگو! میں قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب سے زیادہ قریب رہوں گا کیونکہ میں نے سنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سب سے زیادہ قریب قیامت کے دن مجھ سے وہ شخص ہوگا جو دنیا سے اسی حال میں رخصت ہو جس حال میں میں اسے چھوڑ کر جاؤں اور قسم خدا کی اب تم میں کوئی ایسا نہیں رہا جو اپنی پہلی حالت پر قائم ہو۔ اور اس کے ساتھ کوئی نئی چیز نہ لپٹ گئی ہو، بجز میرے"[1]

اور یہ دعویٰ ان کا صرف ذاتی نہ تھا، بلکہ سید عالم رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کی تھی طبقات میں ہے کہ ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو مجھ سے اسی طرح آکر ملے گا جیسا میں اسے چھوڑ جاؤں گا، حضرت ابوذر نے فرمایا کہ "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی زبان نے اس کے جواب میں فرمایا۔

صدق قت | سچ کہتے ہو دیکھو تم [illegible]

خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فرمایا کرتے ۔

ابو ذر دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ جو خدا کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کی

ملامت سے نہ ڈرتا ہو۔ سوائے ابوذر کے ۔

---

[1] طبقات ابن سعد، مسند احمد ۱۲

اور اخیر میں خود اپنی چھاتی پیٹتے اور فرماتے۔

"واحیٰ کہ میں بھی اپنے نفس کو مستثنیٰ نہیں کرتا"[1]

الغرض "عجز نیہ" کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے علم اور معلومات سے مغلوب و عاجز آگئے تھے جو کچھ جانتے تھے اس کے خلاف کرنے پر گویا قادر نہیں رہتے تھے تعجب ہے کہ امیر کرم اللہ وجہہ تو

عجز منہ | علم میں عاجز آگئے

فرماتے ہیں اور بعض شراح حدیث اسے عجز عنہ سمجھ کر اپنے خود ساختہ معانی کو اس پر خواہ مخواہ منطبق کرنا چاہتے ہیں اور بعضوں نے تو یہ کیا کہ جب اس لفظ پر ان کا مطلب چسپاں نہ ہوا تو انھوں نے نبی کے لفظ کو عن سے بدل دیا جس کا میں حاشیہ میں ذکر کر آیا ہوں۔

اور یہ بالکل سچ ہے کہ تعمیل ارشادات نبویہ میں جو نمونہ حضرت ابو ذر نے دنیا کے آگے پیش کیا اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم سے بالکل مجبور و مغلوب ہو رہے تھے۔

دنیا کی حقارت۔ یہاں کے مال و متاع کی حقیقتوں کے متعلق حضرت ابو ذر کو جو کچھ کہا گیا تھا جنھیں مختصر طور پر میں اوپر نقل کر چکا ہوں اس کا مقتضیٰ تھا کہ وہ ایک خشک زاہد صحرائی بن کر زندگی گزار دیتے نہ شادی کرتے نہ بیاہ، نہ آبادیوں میں رہتے نہ اور کچھ سامان کرتے۔

لیکن میں لکھ چکا ہوں کہ اسی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی سکھایا تھا کہ دنیا میں رہ کر زاہد بننے کی کوشش کرو۔ ٹھیک ہے

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق۔

---

[1] طبقات ۱۰

سکو گریا نظارہ خدا کے آگے پیش کرو۔ ان دونوں چیزوں کو ساده طور پر قائم رکھ کر دنیا میں رہنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ دشوار گزار راستہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ابھی گزر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذرؓ سے یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر احد کا پہاڑ سونا ہو جائے تو اس کی وقعت میرے سامنے اس سے زیادہ نہیں کہ تین دن میں سب کو بانٹ دوں۔" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا وی جاہ و وسائل کی طرف مطلق توجہ کرنے کی ضرورت نہیں اور اسی کے مقابلہ میں حضرت ابوذرؓ ہی کے سامنے آپ عکاف صحابی سے پوچھتے ہیں کیا تمہارے پاس بیوی بھی ہے؟ عکاف نے کہا "جی نہیں"۔

آپ نے فرمایا کہ اگر بیوی نہیں تو کوئی کنیز و لونڈی (یعنی شرعی حرم) بھی ہے؟ عکاف نے کہا کہ وہ بھی نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تم فارغ البال صاحب فراخی نہیں ہو؟ عکاف نے کہا کہ جی میں دنیا کی جانب سے مطمئن اور خوش ہوں (یعنی مالدار ہوں)

آپ نے فرمایا کہ اب تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔ اگر تم نصرانی ہوتے تو ان کے راہبوں میں شمار کئے جاتے۔ نکاح میرے طریقے میں داخل ہے تم میں سب سے زیادہ بدمعاش وہ لوگ ہیں جو مجرد اور کنوارے ہیں سب سے ذلیل ترین کمینے وہ مرد ہیں جو بحالت تجرد زندگی گزار کر مر جاتے ہیں؟

کیا تم لوگ شیطان کے تختۂ مشق بننا چاہتے ہو؟ شیطان کا وہ ہتھیار جو اچھے لوگوں میں آسانی از جاتا ہے صرف عورت ہے۔ ہاں جنہوں نے شادیاں کیں وہ لوگ پاک دل والے ہیں۔ سیاہ اعمال سے دور اور کنارہ ہیں۔

عکاف تجھ پر افسوس ہے ایسی عورتیں تھیں جنہوں نے ایوب یوسف داؤد

یوسف کے ساتھ کیا کیا؟[1] بشر بن عطیہ بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے پوچھا
کہ حضور یہ یوسف کون شخص ہے آپ نے فرمایا کہ کسی گزشتہ زمانہ میں اس نام کا
ایک عابد تھا جو کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر تین سو برس تک عبادت میں مصروف
رہا۔ وہ دن بھر روزے رکھتا تھا اور رات بھر نمازیں پڑھتا۔

آخر ایک دن کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہوا اور ساری ریاضتوں کو
چھوڑ کر اسی کے پیچھے دیوانہ ہوگیا۔ بہرحال اخیر میں اس کی حالت درست ہوئی
اور اللہ تعالیٰ کی طرف پھر متوجہ ہوا اللہ تعالیٰ اس کے قصور سے درگزرے

اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عکاف کی طرف پھر متوجہ
ہوئے اور سمجھانا شروع کیا۔

"عکاف تجھ پر افسوس! نکاح کر! ورنہ تو ہمیشہ مذبذب رہے گا
یعنی طمانیت و سکینت تجھے حاصل نہیں ہو سکتی"

عکاف نے اس کے بعد درخواست کی کہ حضور تو آپ ہی میرا عقد جس سے
چاہیں کر دیں آپ نے فرمایا کہ بہ بنت کلثوم حمیری سے میں نے تیرا نکاح کر دیا[2]

اس حدیث سے نکاح کا مسئلہ جس قدر اہم ہو جاتا ہے اسے کون
نہیں سمجھتا۔ اور شادی کے بعد دنیاوی الجھنوں کا جو طوفان امنڈ آتا ہے آج
اس سے کون واقف نہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان نبوی علوم نے اسی طرح
عاجز و لاچار بنا دیا تھا کہ انھوں نے یہ بھی کیا اور وہ بھی کیا۔ نہایت اعتنا
کے ساتھ نباہ کر ایک عجیب و غریب قوت عملیہ کا ثبوت انھوں نے پیش فرمایا۔

---

[1] یعنی عورتوں کی وجہ سے ان لوگوں کو بعض فتنوں میں مبتلا ہونا پڑا جس کی تفصیل کتب تفسیر میں مذکور
ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ انبیاء معصومین کسی حرام فعل کے معاذ اللہ مرتکب ہوئے ۱۲ [2] مسند احمد ۱۲

آپ کا اپنی بیوی کے ساتھ برتاؤ

مثلاً تم پڑھ چکے کہ آپ میں مجذوبیت بھی تھی، وارفتگی بھی تھی۔ استغراق بھی تھا سب کچھ تھا مگر باوجود ان تمام باتوں کے، آپ ہمیشہ ایک عورت اپنے پاس رکھتے تھے کسی معمولی سفر میں بھی جاتے تو عموماً آپ کی بیوی ہمراہ ہوتیں۔ اور اس میں آپ محض مجبور و لاچار تھے آخر مخالفت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا تم سمجھ سکتے ہو کہ ابوذر کے دل و دماغ پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا، جس قسم کی تبلیغی جذبات حضرت ابوذر کے سینے میں موجزن تھے حق تو یہ ہے، ان کو دیکھتے ہوئے پھر اس فعل پر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔

الغرض ان وجوہ سے تو آپ نکاح کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ آپ کا برتاؤ کس قسم کا تھا، قاعدہ ہے کہ جب عورت انسان کے گھر آتی ہے تو خواہ مخواہ فطرتاً آدمی کے مردہ احساسات زندہ ہو جاتے ہیں، کسی قسم کا شخص ہو لیکن اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اچھے کپڑے پہنائے۔ عمدہ زیوروں سے اسے آراستہ کرکے اپنی آنکھیں سینکے، عطر اور پھول سے ہمیشہ اس کے جامہ و بدن کو معطر رکھے۔ یہ کرے وہ کرے۔ الغرض قدرتاً اس قسم کے خیالات اولاً تو خود ہی دماغ میں ابھرتے ہیں۔ پھر نئی نویلی دلہنوں کی فرمائشوں کی بدولت یہ کریلا اور بھی نیم پر چڑھ جاتا ہے۔ اور اس کا آخری انجام اکثر یہی ہوا ہے کہ انسان اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ہر ایک قسم کے وسائل و ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور آدمی کو جس فعل کو وہ کبھی کرنا نہیں چاہتا تھا، اس کے کرنے پر نہ صرف آمادہ بلکہ بسا اوقات کر گزرتا ہے۔ ایک کاری گر چلتا ہوا جادو ہے۔ جس کے بعد کم رو میں نسوانی فتنوں کے ہوش ربا

تا دیروں سے نجات پا سکی ہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ عاجزی کو دیکھو! ازراہِ زہد گوکہ نبوی احکام و تعلیموں نے ان کو اپنا کس قدر مقہور و مغلوب بنا رکھا تھا وہ نکاح بھی کرتے ہیں اور جب ان کی بیوی صاحبہ فرمائش کرتی ہیں تو آپ گھر سے نکل کر مجمع عام میں فرماتے ہیں۔

"تم لوگ اس کالی کلوٹی کو دیکھتے ہو۔ مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ اور جب میں وہاں جاؤں گا تو مسلمان میری طرف روپیے پیسے لیکر جھکیں گے لیکن ہم کیا کریں۔ ہمارے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا ہے کہ پل صراط کے قریب ایک راستہ ہے جس پر پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ اس پر میں ہلکا پھلکا چلوں یہی ہمارے لئے بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ روپیے اور پیسوں کے بوجھ میں لدا ہوا گراں بار ہو کر اسے عبور کروں۔"[1]

صرف اس قدر کہہ کر آپ ان فرمائشوں کو ٹال دیتے، جو کچھ حلال اور پاکیزہ طریقہ سے آپ کے پاس آتا تھا وہی دیدیتے اس کے بعد نہ ان کی فرمائش کی پروا کرتے نہ اپنی نفسانی خواہشوں سے متاثر ہوتے کہ یہاں نفس باقی ہی کب تھا، وہ تو شادی بھی نہ کرتے لیکن حکام کی مجلس کی داستان نے آپ کو مجبور و معذور کر دیا تھا۔

آپ کی بیوی جبا کی حسرت کی لت

یہی وجہ تھی کہ آپ کو اپنی حرم محترمہ کی زیبائش و آرائش کا کبھی خیال بھی پیدا نہ ہوا۔ اولاً آپ کے نکاح کے لئے صرف عورت شرط تھی اس کے بعد اس سے بالکل بحث

---

[1] طبقات ابن سعد

نہیں ہوتی تھی کہ وہ کیسی ہو کس رنگ کی ہو وغیرہ وغیرہ۔

مورخین جہاں آپ کی بیوی کا حال لکھتے ہیں تو ان کی توصیف ہمیشہ ان لفظوں میں کیجاتی ہے۔

نخست امرأۃ سوداء | حضرت ابوذر کے ساتھ ایک کالی عورت رہتی تھی

عبداللہ بن خراش کعبی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن آپ سے کہا بھی کہ آپ نے یہ کیا کالی کلوٹی عورت سے نکاح کیا ہے تو فرمانے لگے کہ بھائی جس بیوی کی وجہ سے لوگ مجھے ذلیل خیال کریں اسے میں ایسی عورت سے بہتر سمجھتا ہوں جس کی وجہ سے لوگوں میں میری خاص وقعت ہو، کہ یہ وہ شخص ہے جس کی بیوی نہایت پری پیکر اور عالی خاندان ہے

ان کی زیب و زینت | اور نہ صرف اس قدر کہ وہ امرأۃ سوداء تھیں بلکہ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کو ان کی زینت و زیبائیش بناؤ سنگار سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف نکاح کر لیا تھا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی۔

ابو اسماء رحبی کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی بیوی کو ایک دفعہ دیکھا تھا۔ ان کے کپڑے خوشبو میں بسے ہوئے تھے اور نہ ان کے بدن پر اور کسی قسم کی زیب و زینت کا نشان تھا[1]

زیور | میں نے بہت تلاش کیا لیکن غایت جستجو کے بعد طبقات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ کے کان میں بالیاں پڑی ہوئی تھیں[2]۔ اس کے علاوہ اور کسی زیور کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ بالیاں سونے کی تھیں یا چاندی کی۔ یا کسی اور دھات کی۔

---

[1] طبقات ج ۴ [2] طبقات ابن سعد ۲۴

دعوتِ نبوت سے جو علم ان کو ملا تھا اس سے آپ کی بڑی عاجزیاں تھیں جس کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اشارہ فرمایا۔ اللہ اکبر زہد کا تقاضا ہے کہ شادی بھی نہ ہو گھر بھی نہ ہو در بھی نہ ہو کچھ بھی نہ ہو۔ اور شادی کا تقاضا ہے کہ دنیا کے تمام سازو سامان ہوں یہ بھی ہو وہ بھی ہو۔

ابوذرؓ ہی کا کلیجہ تھا کہ ان چیزوں کو سینے پر رکھا اور بغیر کسی تشویش کے دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا۔ ع

بر لب کوثر بداغ تشنگی خو می کنم

کا ایک حیرت انگیز نظارہ حضرت ابوذرؓ کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

آپ کا گھر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راہبانہ صحرانوردیوں سے روکا بھی تھا۔ وہ اس دنیا کو ایک گذرگاہ اور راستے سے تشبیہ دے کر اپنے آپ کو ایک مسافر ہی قرار دیتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ میری مثال دنیا میں اس مسافر کی مانند ہے جو کسی چھاؤں کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں ارشادوں میں عملی تطبیق اس طرح دی تھی کہ آپ جب تک مدینہ منورہ میں رہے زیادہ تر ادھر ادھر پڑے رہتے۔ کبھی مسجد میں کبھی صفہ میں سو جاتے اور اس کے بعد آپ جہاں کہیں رہے کمل کے خیمہ میں رہے۔ شام کے علاوہ شہر دمشق میں بھی جب آپ رہے تو مشت صوف کے جھونپڑے ہی میں۔ بیٹے، اپنے بال بچوں کے ساتھ اسی قسم کے خیموں میں اپنی زندگی گذار دی۔ حتیٰ کہ جس مکان میں آپ نے اپنی آخری سانس پوری کی اس وقت بھی دیکھنے والوں نے یہی دیکھا کہ صوف کے معمولی خیمہ

---

[1] عبرہ کامل (جلد ۲)

حضرت ابوذر کی لاش پڑی ہوئی تھی۔[1] پس اگرچہ وہ پہاڑ کی کھوہ میں نہیں گئے
لیکن شہروں کے وسط میں ہی آپ نے کھوہ بنا لیا تھا اور یوں ع

دریں طرفہ تماشہ ہیں لب تشنہ آب اندر

کے خیالی تصور کی واقعی تصویر۔ اپنی پوری زندگی سے کھینچ کر انھوں نے دکھا دی تھی

روپے پیسے کے متعلق آپ کی تدبیر

میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "کہ لے ابوذر! جس سونے اور چاندی پر گرہ لگائی گئی وہ اس کے مالک کے لئے انگارے ہیں" ادھر تو یہ ارشاد فرمایا جاتا تھا، دوسری طرف حکم تھا:

"بہترین کاموں میں یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت سے سلام کیا کرو۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرو اور رات کو نمازیں اس وقت پڑھو جس وقت دنیا کے لوگ سو چکے ہوں" ظاہر ہے کہ مہمان نوازی کے لئے از بس ضرور ہے کہ انسان کے پاس کچھ پس انداختہ ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں فرمانوں میں اس طرح تطبیق دی تھی کہ آپ کا سالانہ وظیفہ جس وقت بیت المال سے ملتا آپ اٹھتے اور اپنی لونڈی کو ساتھ لے کر سال بھر کا سامان خرید لیتے۔ اس کے بعد جو بچتے بانٹتے۔ پھر جو کچھ بچ جاتا۔ اس کے پیسے بنا لیتے لوگ پوچھتے کہ تمام روپوں کو پیسے بنا لینے کی کیا ضرورت تھی آپ فرماتے کہ چاندی اور سونے کے رکھنے کی مجھے اجازت نہیں اس لئے میں اسے پیسے بنا لیتا ہوں تاکہ میں ان لوگوں میں نہ رہوں جن کے لئے حضور نے دھمکیاں ارشاد فرمائی ہیں۔

الغرض آپ اپنی معلومات سے محض مغلوب و مقہور رہتے تھے جو کچھ

---

[1] طبقات [illegible] ۱۲

سنا تھا وہ آپ کو مجبور کرکے اس پر عمل پیرا بناتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم کی
حکومت فرمائیاں اس طرح اور کسی پر شاید ہوئی ہوں گی۔ امیر کرم اللہ وجہہ
نے سچ فرمایا۔ بلاشبہ یہی بھید تھا جس نے آپ کو مجذوب اور بہلول بنا دیا تھا
میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام مباحث پر جو اس وقت تک پیش ہو چکے ہیں
غور کرنے کے بعد حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کے قول "مجذوبیہ" کا مطلب بالکل
واضح ہو جاتا ہے۔ اور میرا یہ دعویٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی آپ کی
مجذوبیت کی شہادت دی ہے اس سے مراد یہی تھی۔

آخیر میں ہم ان چند خصوصیتوں کو بھی درج کرتے ہیں جو طائفہ مجذوبین کے
ساتھ مخصوص ہے اور شیوہ جذب و مستی کے ساز و سامان میں شمار کیا جاتا ہے

ظرافت

اس وقت تک حضرت ابوذر کے جتنے حالات تم پڑھ چکے
اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں خوش طبعی اور ظرافت کا
مادہ موجود نہ تھا۔ حالانکہ مجذوبوں کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ گو بظاہر وہ ہمیشہ ترش رو
چیں بجبیں نظر آتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ دنیا نے ان ہی مجذوبوں کے ان
قہقہوں کو بھی ہمیشہ سنا ہے جس کا سلسلہ اگر شروع ہوا تو پھر کبھی نہیں رکا۔ اور
ان کی سادگی میں کجی کو اور کجی میں سادگی کو سموتے ہوئے تو کسی نے نہیں دیکھا
غصہ میں مسکراہٹ اور مسکراہٹ میں غصہ اس طبقہ کا خصوصی شیوہ ہے۔

بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی کبھی یہ حالت طاری
ہو جاتی تھی۔ ایک دن آپ کسی مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے۔

کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے
دن ایک شخص پیش ہوگا۔ فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ پہلے اس پر
اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو پیش کرو۔ فرشتے اس کے

اس کے چھوٹے گناہوں کی فہرست اس طرح پیش کریں گے کہ تم نے
فلاں دن یہ کیا۔ فلاں دن یہ کیا وہ بیچارہ اس کا اقرار کرتا جائیگا
اور دل میں ڈرے گا کہ دیکھئے جب کبائر کی فہرست پیش کی جائیگی
تو کیا ہوگا۔ فرشتے جب صغائر پوچھ کر فارغ ہو جائیں گے تو آواز
آئے گی کہ اس کو ہر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دیتے چلے
جاؤ اس رحیمانہ فرمان کے سنتے ہی وہ شخص غل مچانے لگے گا شور
کرے گا۔ کہ فرشتو! ٹھیرو! ابھی ہمارے پاس اور بھی بڑے بڑے
گناہ ہیں ان کو بھی گن لو میں اس فہرست میں انھیں نہیں دیکھتا"
(یعنی ان کے عوض میں بھی مجھے نیکیاں ملنی چاہئیں")

حضرت ابوذر اس نقطہ پر آکر ٹھیر جاتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اس قدر ہنسا کرتے کہ آپ کی ڈاڑھیں
کھل جاتیں۔؎ اس کے بعد حضرت ابوذر کس قدر ہنسا کرتے تھے اس کا اندازہ تم خود ہی
لگا سکتے ہو۔ خصوصاً جب انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت حضرت
ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام عادت یہ بھی تھی کہ قول کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے اس فعل کو بھی کرکے دکھاتے جو حدیث بیان کرتے ہوئے آپ کرتے
بدبخت عبداللہ بن زیاد جسے مسلمان ابن زیاد کے نام سے جانتے ہیں
جب کوفہ کا امیر ہوا تو اپنے جیسے بدگوہروں کے طریق جماعت کی نماز میں تاخیر کرنے لگا
حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے عبداللہ بن صامت نے دریافت کیا کہ
ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ کیا ہم لوگ بھی اپنی نمازوں کو مکروہ اوقات تک مؤخر
کریں۔ عبداللہ بن صامت فرماتے ہیں یہ سنتے ہی حضرت ابوذر نے میرے شانہ پر

؎ صحاح خصوصاً ترمذی دیکھئے اور مسند احمد ج۲

ہاتھ مارا اور فرمایا کہ سنو! میں نے اپنے خلیل (دوست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تھا کہ ایسی صورت میں کیا کروں گا۔ آنحضرت نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔

صلّ الصلوٰة لوقتھا فان ادرکت فصل معھم ولا تقل انی صلیت فلا اصلی معھم (مسند احمد)

تم اپنی نماز وقت پر ادا کر لیا کرو۔ اب اگر ان حکمرانوں کے ساتھ بھی نماز کا موقع آجائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرو اور یہ نہ کہو کہ میں تو نماز پڑھ چکا ہوں ان کے ساتھ نہ پڑھوں گا۔

ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابوذر باب کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں۔

جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے۔ اور جو نہیں جانتے ان کو اب جاننا چاہئے کہ میں جندب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں۔ پھر فرمایا کہ جس طرح میں کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کعبہ کی زنجیر کو پکڑے ہوئے یہ فرما رہے تھے بحدیث (بیہقی)

دوسری ظرافت

نعیم بن قعنب الریاحی کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گھر ڈھونڈھا تو معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف نہیں رکھتے ہیں۔ آپ کی بیوی سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے فرمایا۔

"وہ سامنے ان کی کچھ زمینیں ہیں وہیں ہوں گے"

جب میں ادھر چلا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کے آگے آگے دو اونٹ ہیں جن کے گلے میں مشکیں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ انھیں پیچھے سے ہنکاتے ہوئے

چلے آ رہے ہیں۔ میں آگے بڑھ کر آپ سے ملا۔ اور ساتھ ساتھ مکان پر آیا۔ آپ نے مشکیں اتاریں۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا کہ آپ سے ملنے کی مجھے تمنا بھی تھی اور آپ کی ملاقات سے مجھے نفرت بھی تھی۔ حضرت ابوذر نے فرمایا! یہ دونوں باتیں کیونکر ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔

نعیم نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے۔ اب مجھے اس کی فکر ہے کہ میرا گناہ معاف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہو سکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے۔ اس کا کفارہ بھی ہے یا نہیں۔

پس جب دل میں یہ خیال آتا تھا کہ آپ ہی میرے لئے کوئی راستہ پیدا کریں گے اس وقت دل چاہتا تھا کہ آپ سے مل ہی لوں۔ پھر کبھی خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں آپ نے مجھے مایوس العلاج قرار دیا تو یہ فکر ہمیشہ کا ایک غم میرے ساتھ لگ جائے گا اور اس کے بعد مجھے آپ سے نفرت پیدا ہو جاتی تھی۔[1]

حضرت ابوذر نے اس کے بعد فرمایا کہ یہ حرکت تم نے کفر کے زمانہ میں کی ہے یا اسلام میں نعیم نے کہا کہ ایام کفر میں۔ حضرت ابوذر نے فرمایا! تو پھر کیا پرواہ ہے (یعنی اسلام خود ہی تمام گناہوں کا کفارہ اور کفر کے زمانہ کی ہر قسم کے گناہوں کو ڈھا دینے والا ہے)

نعیم سے یہ فرمانے کے بعد آپ اپنی بیوی کی طرف مخاطب ہوئے اور کچھ سر سے اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مہمان کے لئے کچھ کھانا لاؤ بیوی صاحبہ

---

[1] اس قسم کی متضاد کیفیتیں جھنڈ پیروں کی جانب سے عام طور پر دلوں میں پیدا ہوتی ہیں، جاہ و جلال کی امید و خوف میں ہر شخص ان کی جانب سے یہی دونوں خیال رکھتا ہے۔ ۱۲ ش

یہ سنتے ہی برس پڑیں یعنی ایک تو کھانے کو جاتے نہیں اور اس پر چھان بین کا شوق۔

آپ نے پھر بھی نہایت نرمی سے کہا کہ بیمار سے کے لئے کچھ لاؤ۔ لیکن وہ تھیں کہ بگڑ رہی تھیں حتیٰ کہ آپ نے تیسری بار کچھ زور دے کر فرمایا کہ لاتی بھی ہو یا نہیں لیکن وہ کب سننے والی تھیں اسی طرح الجھ پڑیں اور الجھتی رہیں کہ آخر میں آپ نے گویا جھنجھلا کر فرمایا کہ

واری کس قدر بدل گئی۔ تم کہیں اس سے بھی آگے نکل گئی ہو
جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی شان میں ارشاد
فرما چکے ہیں۔"

نعیم تو وہیں کھڑے تھے، بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے آپ نے فرمایا۔

"کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ
یہ عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اگر انہیں سیدھی
کرنا چاہو گے تو یہ ٹوٹ جائیں گی اور اگر یوں ہی چھوڑ دو گے
تو کجی باقی رہے گی لیکن کچھ کام بھی چلتا رہے گا۔"[1]

یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئیں اور خشک ثرید کے کچھ ٹکڑے لے آئیں۔ آپ نے نعیم کو کہا کہ "بس تو شروع کیجئے اور اس کا خوف نہ کیجئے کہ میں کیوں شریک نہیں ہوا۔ کیوں کہ میں روزہ دار ہوں۔"

یہ کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی۔ نعیم کہتے ہیں کہ میں کھا رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ وہ نماز میں کسی چیز کا انتظار کر رہے ہیں حتیٰ کہ جب انھوں نے اندازہ کر لیا کہ

---

[1] مسند احمد ۲۰

اب مجھے سیری ہو گئی ہوگی۔ فوراً سلام پھیر کر بیٹھ گئے، اور ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کیا۔ مجھے ان کی اس حرکت پر سخت حیرت ہوئی اور بے ساختہ زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہو گیا۔

حضرت ابوذر نے جب مجھے اس حال میں دیکھا تو ہنسنے لگے اور فرمایا کہ تم کو کیا ہوا میں نے کہا کہ اگر میں انسانوں میں کسی کو جھوٹ بولنے والا خیال بھی کرتا تو کم از کم تم کو تو ان لوگوں سے میں مستثنیٰ سمجھتا تھا۔"

حضرت ابوذر نے فرمایا۔ تیرے ماں باپ خدا پر قربان ہوں۔ جب سے تم آئے اور اس وقت سے اس وقت تک تمہارے سامنے میں کیا جھوٹ بولا۔

میں نے کہا خوب، ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ میں روزہ دار ہوں

حضرت ابوذر نے کہا کہ ہاں! بعد اس کھانے کے بھی روزہ دار ہوں اور رہوں گا۔ کیونکہ اس مہینہ کے تین دنوں ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ میں روزے رکھ چکا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ان تین ایام میں روزہ رکھا اس نے گویا مہینے بھر کا روزہ رکھا۔ یعنی ہر روزہ کے بدلے دس روزہ کا ثواب ملا اور اسی طرح تین روزوں کے عوض میں ۳۰ روزوں کا ثواب حاصل ہوگا۔ پس آج میرا روزہ بھی ہے اور اس کا اجر بھی ہے اور تمہارے ساتھ کھا بھی رہا ہوں۔[1]

حضرت ابوذر جب شروع شروع مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کی آب وہوا کچھ ان کے لئے سازگار نہ ہوئی۔ بیمار پڑ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض علاج اور تبدیل آب وہوا ان کو حکم دیا کہ بیت المال کی مویشیاں اونٹ

---

[1] مسند احمد ۱۲۔

اور بکریاں) جہاں چرتی ہیں وہیں جاکر چند سے قیام کردیں یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ صرف اونٹنیوں اور بکریوں کے دودھ پر نہیں بعض روایتوں میں[1] ہے کہ علاجاً ان جانوروں کے پیشاب کے استعمال کی بھی اجازت ہوئی تھی (محدثین کا خیال ہے کہ یہ استسقاء کا علاج ہے ممکن ہے کہ حضرت ابوذر پر استسقاء کی علامتیں ظاہر ہوئی ہوں) بہرحال حضرت ابوذر اسی صحرائی علاقہ کی طرف روانہ ہوئے چونکہ بیمار تھے اس لئے بیوی کو بھی ساتھ لیا۔ یہ ایسا علاقہ تھا جہاں پانی کا نام بھی نہ تھا۔ مجبوراً حضرت ابوذر کو دودھ ہی پر گذر کرنا پڑا ابھی آب و ہوا پر اپنی سخت نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد آپ کی حالت بدل گئی یہ شباب کا زمانہ تھا۔ بیوی ساتھ تھیں، یہ سوچے بغیر کہ آ طرح اس وادی میں پانی ملے گا یا نہیں۔ غسل کی کیا صورت ہوگی۔ اپنے اوپر غسل واجب کرلیا۔ اب ہوش آیا تو پانی کا میلوں پتہ نہیں۔ غسل کے بدلہ میں بھی تیمم کیا جاسکتا ہے یا نہیں حضرت ابوذر کو اس وقت اس کا بھی علم نہ تھا۔ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوا کچھ سمجھ میں نہ آیا بجز اس کے کہ ان اونٹوں میں ایک تیز رفتار اونٹ کی پیٹھ پر لدے اور جتنی تیزی سے بھگا سکتے تھے افتاں خیزاں مدینہ پہنچے، خود فرماتے ہیں ٹھیک نصف النہار کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ دیکھا کہ آپ مسجد کے سایہ میں صحابہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ حضور نے سر مبارک اوپر کی طرف اٹھایا مجھے دیکھ کر بے ساختہ آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

سبحان اللہ ابوذر | خدا کی شان ابوذر

---

[1] حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ۱۶۱

میں نے وہیں کہا کہ ہاں یا رسول اللہ ابوذر ہی ہے۔ پھر سارا قصہ بیان کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کہاں تو بیماری اور ایسی سخت بیماری کہ بعض روایتوں کے اعتبار سے آپ کو اونٹ کے پیشاب تک کے پینے کی نوبت آئی۔ لیکن ادھر طبیعت چاق ہوئی اور غسل واجب کر لیا۔ ان کے اس جذبۂ طرز عمل کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بے ساختہ ہنسی آگئی پھر آپ نے آواز دی۔ ایک لونڈی برتن میں پانی لے کر بھرا آئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی وقت دسی اونٹ کے اوٹ میں کھڑے ہو کر اس جنابت سے میں نے نجات حاصل کی۔ اور اب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ابوذر پاک مٹی سے وضو کا کام اس وقت تک لیا جا سکتا ہے۔ جب تک کہ پانی میسر نہ آئے۔ خواہ پانی دس سال ہی تک کیوں نہ ملے۔

ظرافت ہی کے سلسلہ میں غالباً آپ کی ان عادتوں کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ سے کوئی پوچھتا کہ کیا آپ ہی ابوذر ہیں تو فرماتے کہ "ہاں! میری بیوی کا بھی خیال ہے" آپ کی صاحبزادی بھی آپ کے ساتھ ہوتیں، لوگ پوچھتے کہ کیا یہ آپ کی صاحبزادی ہیں اس وقت بھی یہی فرماتے کہ "ہاں! اس کی ماں یہی کہتی ہے" [۱]

ایام بیض کے روزوں کو ہمیشہ بھر کا روزہ قرار دینا اس قاعدے سے ایک دفعہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی نفع اٹھایا ہے بیہقی میں ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن شقیق عقیلی حضرت عمرؓ سے ملنے آئے۔ ابھی باہر ہی تھے کہ عبداللہ نے آپ کے چہرہ کی حالت دیکھ کر

---

[۱] یہ ساری روایتیں مسند احمد میں ہیں ۱۲

کہا کہ کیا آپ روزے سے ہیں۔ بولے ہاں۔ اتنے میں اندر طلبی ہوئی۔ دیکھتے ہیں کہ ایک بڑے پیالہ میں کھانے کی کچھ چیز رکھی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کھانے کا اشارہ کیا۔ عبد اللہ کے ساتھ حضرت ابوذرؓ بھی پیالہ میں شریک ہو گئے۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے انگلیوں سے اشارہ کیا اور یاد دلایا کہ آپ تو روزے سے ہیں، جواب میں حضرت ابوذرؓ نے فرمایا مجھے اپنا روزہ یاد ہے۔ بھولا نہیں ہوں۔ یہی تم سے کیا کہا تھا۔ یہی نا کہ میں روزہ دار ہوں۔ میں ہر مہینہ کی تین تاریخوں میں چونکہ روزے رکھتا ہوں اس لئے ہمیشہ صائم ہی رہتا ہوں[1]۔

اس قسم کی اور بھی ظرافتیں آپ سے منقول ہیں مدعا کے ثبوت کے لئے اتنی بھی کافی ہیں۔

لوگوں پر مجذوبانہ انداز کے ساتھ بگڑنا اس طائفہ کے ساتھ اور باتیں بھی مخصوص ہیں مثلاً جو آدمی ان کے پاس جائے گا۔ اُس پر پہلے بگڑیں گے اسے جھڑکیں گے، اگر زیادہ مغضوب الحال ہو جائے تو سنا ہے کہ گالیاں بھی دیتے ہیں۔

بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذب چونکہ جذبِ کامل تھا اس لئے ہذیان و خرافات تو آپ کی زبانِ مبارک سے نہیں نکلتے تھے لیکن بگڑنے جھڑکنے کی عادت آپ میں بھی کم و بیش پائی جاتی تھی۔

عوام تو عوام بڑے بڑے جلیل القدر صحابی آپ سے ملنے آتے تو ان پر بگڑتے ان سے بھاگتے، اپنے سامنے سے اٹھا دینے کی کوشش کرتے۔ لیکن چونکہ اس طائفہ کی ان تمام باتوں کو لوگ ان کی مغلوب الحالی پر محمول کرتے ہیں اور آج

---

[1] سنن بیہقی ۱۲

یہ طریقہ دنیا میں مروج ہے۔ اس لئے کسی کو آپ کی باتیں بڑی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ آپ جس قدر بیزاری ظاہر کرتے صحابہ اسی قدر آپ سے چپٹتے۔ آپ انھیں ہٹاتے لیکن قدر شناسان حقیقت ابوذری اور بھی آپ سے قریب ہوتے

ایک دن حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن (جہاں کے آپ صوبہ دار اور ناظم تھے) سے واپس آئے تو حضرت ابو ذرؓ سے بھی ملنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت ابو ذرؓ کھڑے ہوئے تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ پیچھے سے آ کر آپ کی کمر میں لپٹ گئے۔

حضرت ابو ذر آپ کو دیکھتے ہی بگڑنے لگے وہ کمر سے لپٹے ہوئے ہیں یہ اور کہتے جاتے ہیں۔

مرحبا یا اخی | میرے بھائی مرحبا

مگر آپ کی یہ کیفیت ہے کہ

الیک عنی الیک عنی | ہم سے دور رہو۔ ہم سے دور رہو

فرما رہے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری ایک دُبلے پتلے آدمی تھے اور آپ بھاری بھرکم بدن کے تھے وہ چپٹے ہوئے ہیں اور حضرت ابو ذر جھٹکے دے دے کر چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان سے چھوٹ جاؤں۔ دیر تک کشاکش ہوتی رہی۔

"دور رہو دور رہو ہم تم سے ملنا نہیں چاہتے"

آپ کی زبان پر جاری ہے۔ حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ "دور کیوں رہوں گا۔ تم میرے بھائی ہو"

آپ اس کا جواب دیتے کہ "نہیں اب تم میرے بھائی نہیں رہے۔

تم سے برادری اسی وقت تک تھی، جب تک کہ تم کسی صوبہ کے عامل اور ناظم مقرر نہیں ہوئے تھے۔"

الغرض دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور خدا جانے آخر میں ان دونوں نے کیا فیصلہ کیا۔ اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر میں پھر راضی ہوگئے۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ بگڑنے اور خفا ہونے کے بعد پھر نرم بھی پڑ جاتے۔ کیونکہ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بحرین کے ناظم اور صوبہ دار تھے) جب وہاں سے آئے تو آپ سے ملنے گئے اور اسی طرح کریں لپٹ گئے حسب دستور ان کو بھی آپ نے

الیک عنی | مجھ سے الگ رہو۔ دور رہو۔

کہنا شروع کیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مرحبا باخی | بھائی مرحبا

فرماتے جاتے تھے اور آپ ان کی انگلیاں پکڑ کر چاہتے تھے کہ نکل بھاگوں مگر وہ بھی زبردست تھے۔ کب چھوڑتے تھے آخر تھک کر آپ نے پوچھا، کہ تم ان لوگوں (یعنی خلفائے وقت) کی طرف سے کسی صوبہ کے عامل مقرر ہوئے یا نہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے صوبہ داری قبول کی تھی آپ نے پوچھا تو صوبہ داری کے زمانہ میں کوئی اونچی کوٹھی بھی تم نے بنائی۔ کوئی بڑی زمینداری بھی حاصل کی۔ اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ کے تم مالک بھی ہوئے؟

حضرت ابوہریرہ نے کہا نہیں میں نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز حاصل نہیں کی۔ یہ سن کر خوش ہوگئے اور پھر خود گلے لگا کر فرمانے لگے ہاں! تو تم میرے بھائی ہو، تم میرے بھائی ہو[1]

[1] (ملخص از تمام روایات طبقات ابن سعد ماخوذ ہیں)

الغرض عموماً اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناز کرتے۔ اور حضور
بھی آپ کی ناز برداریوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ آپ ہر شخص کو
ڈانٹ دیتے تھے ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو ٹوک دیتے نہ کسی سے ڈرتے تھے
اور نہ کسی سے دبتے تھے سب کو اپنا ہمسر ہم جماعت سمجھتے تھے۔ بہرحال
اس سلسلہ میں بھی واقعات بہت ہیں لیکن یہاں بھی ڈانٹ ڈپٹ، غیظ و
غضب حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا شمار جلیل القدر صحابیوں
میں ہے ایک دفعہ حضرت ابو ذر ان کے سامنے گزر رہے تھے اور وہ اپنے
ایک مکان کی تعمیر کرا رہے تھے۔ حضرت ابو ذر نے فرمایا "آخر تم نے بھی
[illegible]

رہے۔ آخر میں حضرت ابو درداء نے کہا شاید آپ کو میرا یہ مکان بنانا ناگوار
ہوا۔ حضرت ابو ذر بولے، ابو درداء کاش! میں تمہارے سامنے سے گزرتا
اور تم کو اپنے گھر کی غلاظتوں (گھوڑے) پر پاتا۔ یہ اس سے زیادہ پسندیدہ تھا
جس حال میں تم کو اس وقت پایا ہوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ
سے ایک دن ملاقات ہوئی۔ ان کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی جس کے قبضہ
پر چاندی چڑھی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے سنا ہے جس نے پیلے یا سفید (دینار و درہم) کو چھوڑا ان ہی سے
قیامت میں وہ داغا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ مطلب سمجھ گئے اسی وقت
تلوار کو ہاتھ سے پھینک دی (بیہقی، مشکوٰۃ) تم نے دیکھا کہ بجائے جھگڑنے کے
حضرت ابو ہریرہ نے تلوار ہی پھینک دی اور جانتے ہو ابو درداء رضی اللہ
تعالیٰ عنہ جن پر آپ اس قدر بگڑے ان کا کیا حال تھا۔ استیعاب میں ہے کہ

جب حضرت ابو درداء کو خبر ہوئی کہ ابو ذر زبذہ چلے گئے تو فرماتے تھے اگر ابوذر میرے جسم کی بوٹی بھی اڑا دیتے تو میں ان کو ملامت نہیں کرسکتا تھا۔ اسی ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلہ میں آئندہ اس واقعہ کا بھی ذکر آئے گا کہ کعب احبار جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے، تابعین میں شمار تھا حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں برسر دربار ایک خاص مسئلہ میں جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے، حضرت ابوذر نے ان کو سخت سست بھی سنایا اور ڈنڈا بھی رسید کیا کہتے ہیں کہ بے چارے کا سر کھل گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب

البتہ حضرت ابوذر کسی کے تقویٰ و زہد علم و معرفت کے آگے اگر جھکتے تھے تو وہ صرف ایک وحید ذات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر آتی ہے۔

بلکہ میں جب ان عظمتوں اور توقیروں کے واقعات پڑھتا ہوں، جو آپ حضرت عمرؓ کی کیا کرتے تھے تو پھر آپ کی مجذوبیت تک میں مجھے کچھ شبہ سا ہوجاتا ہے۔ لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شاید مجذوبانہ شانوں میں ایک شان ان کی یہ بھی تھی، کہنے والوں نے جو کہا ہے کہ یہ وہ گروہ اللہ والوں کا ہے جو کبھی تو طارم اعلیٰ کی خبر لاتا ہے اور کبھی اپنے پشت پا کی بھی اسے خبر نہیں ہوتی

مسند احمد میں ایک یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سے ایک شخص گزرا جس کا نام خفیف بن حارث تھا، اگرچہ وہ صحابی نہ تھے لیکن رشد و صلاح کے زیور سے آراستہ اور سینے میں پاک دل رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔

نعم العبد غضیف[1] | غضیف کیا اچھا بندہ ہے

حضرت ابوذر وہیں کہیں کھڑے تھے، جب غضیف آگے روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے پیچھے ہو لئے۔ اور سامنے آکر نہایت لجاجت اور غایت عاجزی سے فرمانے لگے۔

"بھائی میرے لئے دعا کرو، خداوند تعالیٰ کے دربار میں میری بخشش کی سفارش کرو، کہ وہ میرے گناہ معاف فرما دے۔"

غضیف حضرت ابوذر کو اس حال میں دیکھ کر گھبرا گئے اور متعجبانہ لہجہ میں فرمانے لگے۔

"حضور یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ احق ہیں کہ میرے لئے استغفار کریں نہ کہ میں۔"

حضرت ابوذر نے اس کے بعد جو کچھ فرمایا تھا وہ ان تمام اندرونی جذبات کو بے نقاب کر دیتا ہے جو آپ کے دل میں حضرت عمر کی جانب موجزن تھے آپ نے کہا۔

"کہ میں نے عمر بن الخطاب کی زبان سے ابھی سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا نعم العبد غضیف (غضیف بہت اچھا بندہ ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچائی اور راستی عمر کی زبان پر چسپاں کر دی گئی ہے"

---

[1] ان کا پورا نام غضیف بن الحارث بن زنیم السکونی ہے بنی کندہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ تاہم جلیل القدر اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں مدتوں رہے ہیں حضرت بلال حضرت فاروق ابو عبیدہ بن الجراح ابوذر ابو الدرداء حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہا سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ آخر زمانہ میں حمص میں توطن اختیار کیا اور وہیں وفات پائی (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۵۰)

مقصد یہ تھا کہ جب تم کو فاروق اعظمؓ نے اچھا کہا ہے تو یقیناً تم اچھے ہو اور اچھوں کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔

یہاں یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ عموماً اس طبقے کے لوگ بھی حضرت ابوذرؓ کو اصحاب طیبین و طاہرین میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن حضرت ابوذرؓ جس ذات کو طیب (خیال) فرماتے تھے اور جس کی تصدیق کو گویا آسمانی تصدیق دیکھتے تھے کس قدر عجیب ہے کہ ان کی اونچی شان پر وہ معترض آتے اور ان کی پاک نیت پر حملے کرتے ہیں۔ غضیعت سے حضرت ابوذرؓ نے جس چیز کی درخواست کی تم خود انصاف کرو کہ کیا تقیہ کی کسی شق کے نیچے وہ داخل ہو سکتا ہے؟ ان کو کس نے مجبور کیا تھا کہ خواہ مخواہ غضیعت سے دعا کے لئے الحاح و زاری کریں فمالِ ھٰؤلاء القوم لا یکادون یفقہون حدیثا۔

سفر دمشق الشام

مدینہ منورہ کے قریب ایک نامی پہاڑ سلع[1] ہے حضرت ابوذرؓ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ

اذا بلغ البناء سلعاً فارتحل الی الشام (مسند احمد و ابو یعلی)۔

جب مدینہ کی آبادی جبل سلع تک پہنچ جائے تو تم شام کی طرف کوچ کر جانا۔

یہ فرمان کیوں دیا گیا تھا؟ اس کی صحیح علت مجھے معلوم نہیں مگر

---

[1] یہ پہاڑ اسی نام سے مدینہ منورہ کے سامنے اب تک موجود ہے۔ یہی وہ کوہ مبارک ہے جس کا ذکر حضرت یسعیاہ نبی کی کتاب میں ان لفظوں میں آیا ہے: "سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے، پہاڑوں کی چوٹی سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے" کون نہیں جانتا کہ طلع البدر علینا کا گیت سلع کے باشندوں نے کب گایا اور کس کے لئے گایا۔

سلوک میں سلع کی آبادی سے کیا نقصان پہنچتا تھا۔[1] مرشد و مرید کے علاوہ اسے اور کون جان سکتا ہے۔ تاہم قرینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مدینہ کی آبادی اس قدر معمور ہو جائے گی تو اس وقت اس کا تمدن بہت بڑھ جائے گا اور حضرت ابوذر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز بنانا چاہتے تھے چونکہ اس کے لئے اتنی مدنیت مضر ہوتی۔ اس لئے آپ نے شام کی روانگی کا حکم دیا تھا واللہ اعلم

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات کے بعد جب مختلف مفتوحات میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ تو حضرت ابوذر نے شام کے "مکتب" یعنی فوجی چھاؤنی میں اپنا نام لکھوا دیا اور وہیں تشریف لے گئے۔ کب گئے؟ اس کو حافظ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کی وفات ہی کے بعد یہ قصہ پیش آیا، لیکن قرائن کا اقتضاء ہے کہ عمر فاروق کے عہد میں جب عسکری تنظیم مفتوحات کی حفاظت کیلئے کی گئی اس وقت شام کی چھاؤنی سے آپ نے اپنا تعلق اختیار فرمایا۔ انساب الاشراف

---

[1] البتہ کامل ابن اثیر وغیرہ مورخین کا یہ بیان اگر صحیح ہے کہ دمشق سے حضرت عثمان کے طلبی پر جب حضرت ابوذر مدینہ منورہ تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مدینہ کا وہی چھوٹا سا قصبہ عہد عثمانی کے ان دنوں ترقی کرتے ہوئے اس نقطہ تک پہنچ گیا تھا کہ ابن الاثیر کے الفاظ یہ ہیں "فرأی البنیان قد بلغ سلعا" (یعنی کوہ سلع کے دامن تک) ابوذر نے دیکھا کہ نشست گاہیں بنی ہوئی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کتنا بڑا عظیم شہر ہو گیا تھا۔ بنتے ہوئے گویا مکانات سلع کے دامن تک پہنچ گئے تھے بہرحال اس حال کو دیکھ کر حضرت ابوذر پر ایک حال طاری ہو گیا اور بے اختیار زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے بشر اہل المدینة بغارة شعواء وحرب مذکار (بشارت دو مدینے والوں کو ایک تباہ کن لوٹ مار کی اور یادگار لڑائی کی) صفحہ [illegible] اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ یزید کے زمانے میں مدینہ واقعہ حرہ کے وقت جس بے دردی کے ساتھ لوٹا گیا کہ مسجد نبوی میں اذان تک دینے والا کوئی نہ تھا اور وہ قتل عام کئی دن تک ہوتا رہا یہ اسی کی طرف اشارہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از قبل ابوذر کو اس زود فتنے سے مطلع فرما دیا تھا۔

بلاذری میں بھی لکھا ہے کہ کان مسکنہ بالشام الا انہ کان یستاذن عثمان فیاذن له فی مجاورة قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاذن له فی ذلک (یعنی ان کی اصل جائے قیام تو شام میں تھی لیکن اجازت لے کر حج کے لئے حجاز بھی آتے اور حضرت عثمان سے کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے جوار میں کچھ دن رہنے کی اجازت دو، وہ ان کو اجازت عطا کرتے) گویا یوں کہ اور مدینہ میں ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا لیکن اصل قیام گاہ ان کی شام ہی کے شہر دمشق میں تھی (دیکھو البلاذری ص ۵۵)

بہرحال اتنا قطعی ہے کہ خلافت عثمانی میں حضرت ابوذرؓ دمشق میں تھے وہاں کملوں کا ایک معمولی سا جھونپڑا ڈال لیا تھا جس میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔[1]

مسلک کنز

جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر حضرت ابوذرؓ کا خاص شیوہ تھا۔ سچائی کے اعلان میں دنیا کی کوئی قوت آپ کو روک نہیں سکتی تھی حتیٰ کہ خود علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے جیسا کہ گزر بھی چکا یعنی۔

"اللہ کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کی طعنوں سے نہ ڈرنے والا صرف ابوذر رہ گیا ہے۔"

الغرض مشکوٰۃ نبوت سے جو روشنی آپ کو عطا کی گئی تھی اسی روشنی کے عام کرنے میں آپ کبھی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ جب [illegible] اسی فکر و عمل میں مصروف رہتے تھے کہ تم آغاز کتاب میں پڑھ آئے ہو کہ اعلان توحید میں آپ پر کیا کیا مصائب نازل ہوئے لیکن آپ کو اس کی کوئی پرواہ نہ ہوتی تھی۔ یہی

---

[1] طبقات ابن سعد جز رابع۔

وجہ ہوئی کہ جب آپ شام تشریف لائے تو یہاں بھی آپ نے وعظ و درس کا
باب کھول دیا۔ اشاعت سنت میں منہمک ہو گئے۔ اس زمانے کے امراء کے
بعض بلیغ فقرے تاریخوں میں محفوظ بھی ہو گئے ہیں مثلاً البلاذری نے نقل کیا
ہے۔ شام میں حضرت ابوذر فرماتے تھے خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ سچائی بجھ
رہی ہے جھوٹ زندہ کیا جا رہا ہے سچے جھٹلائے جا رہے ہیں۔ بغیر تقویٰ کے
لوگ خود غرضیاں اختیار کر رہے ہیں" البلاذری ص ۵۴۔

بہر حال اسی ضمن میں آپ نے مسئلہ کنز کی بھی تبلیغ شروع کی۔ جو
لوگ کنز کے مرتکب تھے ان کو دھمکاتے ڈراتے۔ فرماتے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جو لوگ چاندی اور سونے پر گرہیں لگاتے ہیں وہ شعلے بن کر
ان سے چمٹیں گے جب تک کہ اُسے خدا کی راہ میں صرف
نہ کر دیں"

کبھی بیان کرتے کہ کانزین (یعنی سونے چاندی جمع کرنے والوں)
کو مژدہ سنا دو کہ جہنم کی آگ میں تپائی ہوئی تختیاں ان کی ایک پستان
پر رکھی جائیں گی حتیٰ کہ وہ سینہ کو توڑ کر۔ مونڈھے کی ہڈیوں سے نکل جائیں گی
اسی طرح پھر مونڈھے کی ہڈیوں پر دھری جائیں گی۔ حتیٰ کہ وہ دوسرے
پستان کی طرف سے توڑ کر باہر نکل آئے گی۔[1] کبھی ارشاد فرماتے۔ مال اللہ سے
غریبوں کی مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا — جو لوگ سونا چاندی کو سینت سینت کر رکھتے ہیں اور

---

[1] بخاری کتاب الزکاۃ ۱۲

فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون

اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک دکھ کا مژدہ سنادو، اس دن جبکہ ان کی چاندی سونا آگ میں گرم کئے جائیں گے پھر ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھ اس سے داغی جائے گی اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جسے اپنے فائدے کیلئے تم نے اکٹھا کر رکھا تھا پس چکھو اس چیز کا مزہ جس کو تم لوگ جمع کرتے تھے۔

الغرض متواتر مسجدوں، بازاروں میں آپ کا یہ بیان ہوتا رہا۔ بعض مورخ کا بیان ہے: اس واقعہ سے عام طور پر دمشق میں یہ بات پھیل گئی۔ غربا امرا کو تنگ کرنے لگے ایک آفت برپا تھی۔ طبری میں ہے۔

حتی ولع الفقراء بمثل ذالک واوجبوہ علی الاغنیاء[۱]

غربا اس قسم کی باتوں سے دلچسپی لینے لگے اور امیروں پر اس کو واجب کردیا کہ جو کچھ ان کے پاس بچ رہے غریبوں کو دینا۔

چونکہ اس مسئلہ نے آئندہ چل کر ایک اہم صورت اختیار کی، اس لئے ہم اس میں کچھ تفصیل سے کام لینا چاہتے ہیں۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کسی نے آپ کے اصل مقصد تک پہنچنے کی صحیح کوشش غالباً نہیں کی، لوگ سرسری طور پر ان کی باتوں کو سن کر گزر جاتے ہیں اور یوں عام طور سے اہل علم میں بھی ایک غلط بات مشہور ہوگئی ہے۔

آپ کے مذہب کی صحیح تشریح

مختلف لوگوں نے آپ کے خیال کی مختلف شرح کی ہے۔ ہم پہلے علماء کی آراء درج کرتے ہیں۔ آخر میں جو کچھ میری اپنی رائے ہے اسے بیان کروں گا۔ واللہ

---

[۱] تاریخ طبری صفحہ ۱۲۰۰۵

یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

عام طور سے اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کو جمع کرنا حرام سمجھتے تھے، حافظ ابو عمرو بن عبدالبر کہتے ہیں۔

وردت آثار کثیرۃ عن ابی ذر تدل علی انہ کان یذھب الی ان کل مال مجموع یفضل علی القوت وسداد العیش فھو کنز یذم فاعلہ وان آیۃ الوعید نزلت فی ذلک۔

ابوذر سے بکثرت ایسی باتیں منقول ہوئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ وہ کھانے پینے اور سامان زندگی کے علاوہ ہر ایک قسم کے مال جمع کرنے کو کنز کہتے تھے اور اس کے مرتکب کی مذمت فرماتے تھے اور قائل تھے کہ وعید کی آیت قرآن مجید میں ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ آثار کن کتابوں میں مذکور ہیں۔ طبقات، مسندات، مصنفات۔ اس کے علاوہ عموماً تاریخ وحدیث کی کتابیں ہمارے پاس ہیں ان میں اس بڑے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہو گی کہ قاضی عیاض اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے آپ کے "نظریہ کنز" کے مطلب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قاضی عیاض کا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام طور پر ہر شخص کے لئے اس کو حکم نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی کل دھمکیاں ان بادشاہوں کے ساتھ مخصوص تھیں جو رعایا سے روپیہ وصول کر کے محض اپنے عیش و آرام جاہ وجلال میں صرف کرتے ہیں اور جن لوگوں کے واقعی حقوق ہیں ان کو محروم رکھتے ہیں۔

علامہ نووی کو اس توجیہ پر غصہ آگیا ہے اور نہایت سختی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ابوذر تو اپنے زمانہ میں لوگوں کو دھمکاتے پھرتے تھے۔ پھر اس

قسم کے ظالم و عیش پسند بادشاہ و اس زمانہ میں کب موجود تھے کہ وہ تو خلفائے صدیقین وامرائے عادلین مثل ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عہد تھا۔

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دراصل یہ مطلب تھا کہ خود اپنے مال کے جمع کرنے میں بھی انسان دا غا جائے گا۔ بلکہ آپ کا یہ فتویٰ ان لوگوں کی حد تک محدود تھا جو دوسروں کا مال لے کر جمع کرتے ہوں اور جب اصلی مالک اس کا مطالبہ کرتا ہے تو ہاں ٹال دیتے ہیں۔ اس لئے اپنے مال پر کسی کی تعذیب کیوں ہو۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کا فتویٰ تھا کہ اگر زکوٰۃ نکالنے کے بعد ہمارے پاس ایک پہاڑ کے برابر سونا ہو تو ہمیں پھر کوئی خوف نہیں۔[1]

حافظ نے اس کے بعد ایک اور توجیہ بیان کی ہے چونکہ وہ بجنسہٖ قاضی عیاض کی تاویل کا ترجمہ ہے اس لئے اسے قلم انداز کرتا ہوں۔

ناچیز کی رائے اگر امام نووی کو قاضی عیاض پر اور قاضی عیاض کو اپنے گزشتہ مؤلفین و مصنفین پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ مجھے اگر اعتراض کا نہیں تو کم سے کم اپنے خیالات کے اظہار سے کیوں روکا جائے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ میں آئندہ لکھوں گا اس میں غلطی کی گنجائش نہیں۔ دیوانہ ہے جو ایسا سمجھتا ہے فلینظر الانسان مم خلق کے بعد اس قسم کی متکبرانہ دعاوی کا حق کس کو حاصل ہے؟ بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات و روش طرز و طریقہ روایات و اقوال سے میں جو کچھ سمجھا ہوں اسے پیش کئے دیتا ہوں۔

---

[1] فتح الباری شرح بخاری میں یہ تفصیلات نقل کئے گئے ہیں۔ ۱۲

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ خصوصیت کے ساتھ نقدین (سونا چاندی) جمع کرنے کی چیز نہیں علاوہ ازیں آپ کسی اور چیز کے جمع کرنے کو بہتر نہیں فرماتے تھے میرے نزدیک حافظ ابو عمر بن عبد البر کا یہ کہنا کہ "کل مال مجموع" مال کا لفظ جو ہر ایک قسم کے مال پر صادق آتا ہے قابل اصلاح ہے بلکہ کہنا یہ چاہئے۔ کہ "کل ذہب وفضۃ" (یعنی ہر قسم کا سونا چاندی)۔

پھر نقدین کے بارہ میں بھی آپ کا یہ خیال کبھی نہ تھا کہ حاجت سے اگر زیادہ ہو تو خدا ہی کی راہ میں وہ لٹا دیا جائے بلکہ خود آپ کے قول و عمل سے عنقریب معلوم ہوگا کہ آپ کی رائے یہ تھی کہ:-

(۱) اگر روپے اشرفیاں حاجت سے زیادہ ہیں تو ان کو فوراً کسی مفید چیز کی صورت میں بدل دو، تاکہ ایک مفید جائداد ہو جائے یا روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آئے مثلاً اس سے زمین خرید لی جائے بکریاں مول لے لی جائیں جن کے بچوں سے دودھ سے فائدہ حاصل ہو۔ گدھے گدھیاں اونٹ وغیرہ لے لئے جائیں تاکہ باربرداری سواری میں ان سے آرام ملے یا پیسے بنالئے جائیں جو روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آتے رہتے ہیں۔

(۲) اور اگر یہ چیزیں کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ ہیں تو پھر وہ اخروی تجارت شروع کرے یعنی بے کھٹکے ایک اٹھنی کی دس اٹھنیاں بناتا چلا جائے۔ البتہ جو لوگ نہ وہ کرتے ہیں اور نہ یہ کرتے ہیں بلکہ خواہ مخواہ سونا چاندی جمع کرنے کا جن کو شوق ہے ان کے حق میں یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

والذین یکنزون الذھب — اور جو لوگ جمع رکھتے ہیں سونا اور چاندی کو

والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ الآیۃ	اس کو نہیں خرچ کرتے اللہ کی راہ میں تو (اے محمد) ان کو خوشخبری سنا دو درد ناک عذاب کی۔

حتیٰ کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سونے کے زیور کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ نہیں چاہتے تھے کہ سونا زیور کی صورت میں بھی مقید ہو جائے کیونکہ مسند میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک اعرابی آیا جس میں حضرت ابوذرؓ بھی شریک تھے اور آکر کہا۔

اکلتنا الضبع یا رسول اللہ یعنی السنۃ	ہم لوگوں کو قحط کھا گیا یا رسول اللہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں اس سے زیادہ اس وقت سے ڈرتا ہوں جب تم لوگوں پر دنیا خوب اچھی طرح بہائی جائے گی (یعنی وہ اس قحط سے زیادہ خطرناک اور ایام آزمائش ہوں گے) اور اس کے بعد نہایت حسرت سے آپ نے ارشاد فرمایا۔

فیا لیت امتی لا یتحلون الذھب	کاش میری امت سونے کا زیور استعمال نہ کرتی۔

اس روایت سے گو سونے کی حرمت مطلقاً نہیں معلوم ہوتی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا یہی تھی کہ میری اُمت (خواہ مرد ہو یا عورت کہ لفظ عام ہے) سونے کو استعمال نہ کرتی۔

حضرت ابوذرؓ کے اندر جو جذبہ کی کیفیت موجود تھی اس سے اندازہ

کیا جا سکتا ہے کہ اس نشا ئیرت نے ان میں کس اثر کو پیدا کر دیا ہو گا۔ اگر میں یہ کہوں کہ انھوں نے امت پر سونے کو حرام کر دیا ہو گا تو کیا بعید ہے خصوصاً حدیث کے جب وہی راوی بھی ہیں خلاف میں اس کے ان کا کوئی فتویٰ بھی نہیں پایا جاتا۔ تو یہ بات امکان سے بہت قریب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ بعض ارباب فتاویٰ کی رائے بھی ہے۔ بہرحال اگر وہ طلائی زیوروں کو حرام نہیں تو کم از کم ناپسند ضرور خیال فرماتے ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر اس پر زکوٰۃ ضرور فرض سمجھتے ہوں گے، جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

مندرجہ بالا دعوے کے وجوہ میرے نزدیک آپ کی رائے کی صحیح تصویر یہی ہے، طبقات وغیرہ اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ کثرت سے ان دونوں میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جن سے ہمارا دعویٰ مدلل ہو جاتا ہے خود آپ کے ذاتی عمل اور قول سے اس کا پتہ چلتا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی باتیں ظاہر ہے کہ کیا وقعت رکھتی ہیں مثلاً معلوم ہوتا ہے۔

(۱) آپ اپنی تنخواہ سے سال بھر کی ضرورت کی چیز خرید لینے کے بعد باقی روپیوں کے پیسے بھنا لیتے تھے۔

(۲) جب شام سے آپ کے اہل و عیال واپس ہوئے (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) تو ان کے پاس ایک کیسہ برآمد ہوا۔ لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی۔ اس پر آپ کی بیوی نے فرمایا۔ کہ قسم خدا کی اس میں اشرفی اور درہم نہیں ہیں بلکہ پیسے ہیں جسے ابوذر ضروریات کے لئے بھنا لیا کرتے تھے۔ (تذہیں جلد ۲)

حلیہ میں قریب قریب اسی قسم کی ایک حکایت اور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی صاحبہ کو دیکھا اُن پر ایک اونی برقعہ پڑا ہوا تھا۔ چہرہ کا رنگ جھلسا ہوا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ایک تُنبہ (خشک کدو کے تونبہ کو کہتے ہیں) بھی تھا صاحبزادی صاحبہ حضرت ابوذر کے سامنے آکر کھڑی ہوگئیں اور فرمایا

ابا جان! کاشتکاروں اور کسانوں کا خیال ہے کہ آپ کے پیسے جو اس میں (تُنبہ) ہیں یہ بھی ضرورت سے زاید ہیں۔

حضرت ابوذر نے اس کے جواب میں فرمایا "بیٹی! اس کو اپنے پاس رکھو۔ الحمد للہ کہ تمہارے باپ نے کبھی کسی رات کو اس حال میں نہیں کیا ہے کہ وہ زرد و سفید (زر و سیم) کا مالک ہو مگر تھوڑے سے پیسے یعنی یہ اتفاقی ضرورتوں کے لئے اپنے پاس ان کو ضرور رکھتا ہوں۔

(۳) آپ کے پاس گدھیاں بھی تھیں گدھے بھی تھے جو بار برداری وغیرہ میں کام آتے تھے۔[۱]

(۴) آپ کے پاس اونٹ بھی تھے جن پر علاوہ سواری کے پانی لایا کرتے تھے۔[۲]

(۵) آپ کی ملک میں زمین بھی تھی[۳] خواہ بصورت کھیتی یا باغ۔

(۶) خود آپ سے روایت ہے۔

جو شخص اونٹ یا گائے بکری کا مالک ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے قیامت کے	قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

۱ طبقات ۱۲ ۲ طبقات ۱۲ ۳ مسند احمد میں ہے ان ضیعۃ لہ ضیعۃ کے معنی کھیتی یا باغ کے ہیں یہی معنی اساس میں دالزراعۃ ۱۲

ما من صاحب ابل ولا بقر ولا غنم لا يؤدي زكوتها الا جاءت يوم القيٰمة اعظم ما كانت واسمنه تنطحه بقرونها وتطؤه باخفافها كلما نفدت اخرها عادت اوليها حتى يقضى بين الناس۔

(مسند احمد)

دے اس کی یہ جانور لائے جائیں گے۔ دنیا میں جس قدر بڑے ہوں گے قیامت کے دن اس سے زیادہ بڑے کرکے لائے جائیں گے اسی طرح دنیا میں جس قدر موٹے ہوں گے اس سے زیادہ موٹے کرکے قیامت کے دن لائے جائیں گے اور پھر اپنے مالک کو سینگ ماریں گے اور پاؤں سے روندیں گے جب حساب کتاب کا سلسلہ ختم نہ ہوگا یہ اسی طرح کرتے رہیں گے جب ایک قطار ختم ہو جائے گی دوسری لوٹے گی۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مویشیوں کی جب زکوٰۃ ادا کردی جائے تو پھر ان کے رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ اور یہ بالکل ٹھیک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اجازت دیں اسی اجازت کے خود حضرت ابو ذرؓ راوی ہوں اور پھر اس کی مخالفت کریں۔

الغرض حضرت ابوذرؓ کو اجازت تھی کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد آدمی جس قدر اونٹ گائے وغیرہ رکھ سکتا ہو رکھے۔ اس کے لئے کوئی وعید نہیں۔ مسند احمد میں حضرت ابوذر سے ایک اور روایت ہے جس سے میری اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صرف سونا اور چاندی کو سونا اور چاندی کی شکل میں جو چیز بھی ہو اس کو بلا وجہ کاٹنے یا جمع کرنے کے مخالف تھے حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔

يا ابا ذر اعقل ما اقول لك | اے ابوذر! سمجھو اس کو جو میں کہتا ہوں

لعناق یاتی رجلا من المسلمین خیر له من احد ذهبا یترکه ورائه۔ (مسند احمد صفحہ ۱)

یعنی ایک بکری جو کسی مسلمان کو حاصل ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ احد کے برابر اس کے پاس سونا ہو پھر اپنے بعد اس کو چھوڑ جائے۔

الفاظ حدیث بجنسہ میں نے نقل کر دئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اس کا مفہوم وہی ہے جو میں نے ترجمہ میں درج کیا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ بجائے "سونے" کے آدمی کے لئے بکری کا ایک بچہ زیادہ مفید ہے، یعنی وہ ایک بڑھنے اور بڑھانے والی چیز ہے۔ خصوصاً عرب میں آدمی کا ایک بڑا ذریعہ اونٹ اور بکریاں ہی تھیں۔ اس لئے آپ نے بکری کا ذکر کیا۔ ورنہ بظاہر مطلب اس کا یہی ہے کہ زر کو آدمی پیدا کرنے والی نفع بخش چیزوں میں لگا دینا زیادہ مفید ہے، بہ نسبت اس بات کے کہ زر کو زر ہی کی شکل میں مقید کر کے کہیں دفن کر دیا جائے، چونکہ مسلمانوں کے معاش کا ذریعہ یا تو اس قسم کی جائز آمدنیاں ہیں یا وہ اموال ہیں جو بذریعہ جہاد حاصل ہوئے ہوں شاید اسی کی طرف اسی حدیث کے ان آخری الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی آنحضرت نے ابوذر کو پھر مخاطب کر کے فرمایا۔

اعقل یا اباذر ما اقول ان الخیل فی نواصیها البرکة الی یوم القیامة ان الخیل فی نواصیها الخیر۔

سمجھو اس کو اے ابوذر جو میں کہتا ہوں کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے برکت رکھی گئی ہے گھوڑوں کی پیشانی میں برکت ہے۔

ارباب حدیث جانتے ہیں کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ خیر اور آمدنی کا بڑا ذریعہ گھوڑا ہے یعنی مسلمان اس وقت تک فارغ البال ہیں جب تک وہ جہاد کرتے رہیں گے۔ جس کی تعبیر گھوڑے

کی گئی کہ عرب سپاہیوں کی سب سے اہم شے جنگ کے لئے گھوڑے ہی
تھے۔ اور اب تک ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسلمانوں کی معاشی ضرورتوں پر گفتگو فرما رہے ہیں احد پہاڑ کے برابر مخزونہ و مدفونہ دولت کے مقابلہ میں ادنیٰ نفع بخش آمدنی پیدا کرنیوالی چیز (خاص) کو آپ نے ترجیح دی۔ پس حافظ ابن عبدالبرؒ کا یہ کہنا کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کے لئے کنز کو عام رکھتے تھے، کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

ان امور کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں تو کیا کسی غلط نتیجے تک پہنچے ہیں؟ تم خود غور کرو، کہ یہ باتیں جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں اگر صحیح ہیں اور ان شاء اللہ صحیح ہیں تو پھر ہمارے دعویٰ کی صداقت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے!

اور جب ایسا ہے، تو پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جن غلط نویسوں نے آپ کی طرف یہ فتویٰ منسوب کیا ہے کہ ابوذرؓ کا خیال تھا کہ۔

صاحب المال کافر | مال والے کافر ہیں۔

یہ ان کے عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔ میں متحیر ہوں کہ جب سیر کی جید و موثق کتابیں اس فتویٰ سے معرّا ہیں، حدیثوں میں اس کا پتہ نہیں، بلکہ ان کتابوں میں جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اس کے خلاف ہے تو پھر یہ کیا ظلم ہے کہ بغیر تحقیق کے ایسے لوگ بھی جن کو اپنی تاریخی وسعت نظری پر ناز ہے اس بے سروپا فتوے کو نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی تغلیط بھی نہیں کرتے عفی اللہ عنہم۔

ہاں! اس قدر میں بھی مانتا ہوں کہ خاص ذہب (سونا) فضہ (چاندی) کے

متعلق آپ کا یہ خیال ضرور تھا کہ یہ جمع کرنے کی چیزیں نہیں ہیں۔

مسلکِ ابوذری پر ایک اجمالی تبصرہ

میں حضرت ابوذر کے مسلک کی تائید کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں اگر آپ ایسا فرماتے تھے تو شریعت اسلامیہ میں اس خیال کے پیدا ہونے کی مناسب وجوہ موجود ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام نے سونے اور چاندی کے زیوروں کو مردوں پر حرام کر دیا ہے اور طلائی و نقرئی ظروف کے استعمال کو بھی اسلام نے مرد و عورت دونوں کے لئے قطعاً ممنوع کر دی۔ آخر یہ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے کہ سونا چاندی خود کوئی مفید چیز نہیں۔ بلکہ اُخروی و دنیوی دونوں ترقیوں کے یہ آلے ہیں۔ اگر کسی کے پاس دس ہزار اشرفیاں ہیں اور ان کو اس نے زمین میں دفن کر دیا تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے خود اپنے نفس پر اپنے بال بچوں پر اور قوم پر ظلم کیا کہ جتنے دنوں تک وہ آغوشِ زمین میں سوتی رہیں گی کاش ان سے تجارت کی چیزیں خریدی جاتیں تو اسی عرصہ میں وہ دس ہزار سے بیس ہزار بن جاتیں۔ یا اگر انھیں خدا کی راہ میں صرف کر دیتا تو ہر اشرفی کے مقابلہ میں اسے دس اشرفیوں کا قطعی فائدہ ہو جاتا جو کسی طرح زوال پذیر نہیں۔

سونے کو برتن یا زیور کی صورتوں میں مقید کر دینے کے یہ معنے ہیں کہ برکتوں اور آمدنیوں کے وسیع دروازہ پر قفل لگا دیا گیا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوذرؓ جس حدیث سے استدلال فرمایا کرتے تھے تاویلوں اور توجیہوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد ظاہر نص کا بھی کیا یہی منشا نہ تھا؟

اسی حیثیت سے تو قرآن کریم نے جس چیز کو جمع کرنے پر بنی آدم کو داغ دینے کی دھمکی دی ہے وہ گھوڑے، گدھے، اونٹ، زمین و اموال تجارت کچھ نہیں ہیں۔ بلکہ خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔

اور جو لوگ کہ سونا چاندی کو سینت تے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک دکھ کا مزدہ سنا دو۔ جس دن یہ چیزیں جہنم کی آگ میں تپائی جائیں گی پھر ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں ان سے داغی جائیں گی اور کہا جائیگا یہ وہی ہے جسے تم اپنے لئے جوڑ کر رکھتے تھے۔ پھر آج جس چیز کو جوڑ کر رکھتے تھے اس کا مزہ چکھ لو۔

میں ان تاویلوں سے بے خبر نہیں ہوں جنہیں مفسرین اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کو فرضیت زکوٰۃ سے پہلے کی قرار دے کر اس کی منسوخیت کا دعویٰ کیا ہے اور بعض لوگ گو اس آیت کو محکم قرار دیتے ہیں۔ لیکن لا ینفقونھا سے زکوٰۃ مراد لیتے ہیں یعنی جو لوگ ذہب و فضہ کو بغیر زکوٰۃ ادا کئے ہوئے جمع کرتے ہیں۔ یہ دھمکی ان کے حق میں ہے وغیرہ وغیرہ

لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو ظاہری معنے پر محمول کر رہے ہوں اور جو لوگ اس کی تنسیخ یا تخصیص خبر احاد سے کرتے ہیں ان کو اس سے روک کر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ذہب و فضہ کی کل دو صورتیں ہیں یا تو اس کو استعمال میں لاؤ ورنہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دو

ان کے سوا یہ تیسری صورت کہ گھروں میں یونہی ڈال دیا جائے، یعنی "کنز" بنا کر سونے چاندی کو رکھنا اس کی اجازت نہیں دی جائے گی تو بتایا جائے کہ اس میں کیا موزونیت ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ محض بے سروپا تھا خصوصاً جب اس تفسیر کے بعد نسخ ہی کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تخصیص النص بالخبر الواحد کی خرابی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ نہ صرف دینی حیثیت سے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اسلام کے گزشتہ بالا اصول کلیہ کو سامنے رکھ لیجئے بعد معاشی حیثیت سے بھی اس پر نکتہ چینی کی جرأت بمشکل ہی ہو سکتی ہے علی الخصوص جب طبرانی کی اس روایت کو بھی ہم ملا لیتے ہیں تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معذوری اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

قصہ یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک چھوٹا سا اسلامی مدرسہ صُفّہ کے نام سے جو قائم تھا غریب و محتاج لوگ جو مسلمان ہوتے تھے وہ اسی میں داخل ہو جاتے تھے۔ عام مسلمان ان کی مدد کرتے اور کھانے پینے کا سامان حسب وسعت کر دیا کرتے تھے اتفاق سے اس میں ایک طالب العلم کا انتقال ہو گیا۔ غسل دینے کے لئے جب ان کا کپڑا اتارا گیا تو ان کی لنگی سے ایک اشرفی برآمد ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا ایک داغنے والا آلہ ہے اسی کے بعد دو طالب علم کا انتقال ہوا۔ ان کی بھی جب تلاشی لی گئی تو اشرفیاں برآمد ہوئیں۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا یہ داغنے کے دو آلے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ محدثین و شراح حدیث اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صفہ کے طلبا عموماً لوگوں پر اپنی مسکنت اور عزبت ظاہر کرتے تھے لیکن جب مرنے کے بعد ان کے پاس سے نقد برآمد ہوا تو اس سے ان لوگوں کی ریاکاری ثابت ہوئی

کہ باوجود ثروت کے یہ اصحاب صفہ میں شریک ہو گئے تھے۔ جو مخلص مسکینوں
کی جماعت تھی' خطرہ تھا کہ جب لوگوں کو یہ علم ہو جائے گا کہ صفہ والوں کے
پاس روپے رہتے ہیں تو مستحق طلبہ بھی امداد سے محروم ہو جائیں گے اس لئے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔

میں اس تاویل کو مانتا ہوں لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ جب حضرت ابوذر
کے سامنے اس قسم کے واقعات متواتر پیش ہوئے اگر اس کے بعد انھوں نے
ذہب وفضہ کے متعلق گزشتہ رائے قائم کی تو یہ کوئی مستبعد اور دور از
قیاس نہیں ہے گو عامہ ارباب فتاوی و اصحاب علم کی یہ رائے نہ ہو۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوذرؓ کا مباحثہ مسئلہ کنز پر

خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔ شام کے
ناظم و عامل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
تھے۔ اتفاق سے ان کے عہد میں اس مسئلہ کا بہت چرچا ہوا عام طور سے
ارباب دول حضرت ابوذرؓ سے برہم ہو رہے تھے مزاج میں آپ کے حدت
بھی تھی ممکن ہے کہ کسی پر کچھ سختی بھی کی ہو' اگرچہ کسی روایت سے یہ ثابت
نہیں۔ تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے دمشق میں اس مسئلہ کی بدولت ایک
ہل چل مچی ہوئی تھی۔ جن لوگوں نے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کو سونے اور
چاندی سے لاد دیا تھا یقیناً ان کو حضرت ابوذر کا یہ فتوی گراں گزرتا ہوگا
کیونکہ حضرت ابوذر اوّلاً اسے کنز کی مد میں داخل کر کے لوگوں کو نصیحت
کرتے ہوں گے ورنہ کم از کم زکوٰۃ کی تاکید تو ضرور کی جاتی ہوگی پھر جو لوگ
کہ زیوروں پر زکوٰۃ فرض نہیں سمجھتے تھے (جیسا کہ بعض علما کی رائے ہے
مثلاً ابن عمر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کو یہ مسئلہ برا معلوم ہوتا ہوگا۔
اور دوسروں ہی کو کیا خود امیر معاویہ کو وہ کب بخشتے تھے لکھا ہے کہ جب

دمشق میں امیر معاویہ نے اپنی مشہور سبز کوٹھی یعنی "الخضراء" کی تعمیر شروع
کی۔ تو حضرت ابوذر حاضر ہوئے اور امیر معاویہ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے
تم جو یہ محل تیار کر رہے ہو، اگر خدا کے مال سے تیار کر رہے ہو تو ظاہر ہے
کہ یہ خیانت ہے، اور اگر اپنے ذاتی مال سے بنوا رہے ہو، تو پھر یہ اسراف
اور فضول خرچی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کے پاس خاموشی کے سوا اس کا
کوئی جواب نہ تھا۔[1] یہ بھی لکھا ہے کہ بعض موقعوں پر امیر معاویہ کی زبان سے
بیت المال کے خزانے کے متعلق یہ تعبیر نکل گئی کہ یہ تو خدا کا مال ہے حضرت
ابوذر کو خبر ہوئی، تشریف لائے۔ امیر معاویہ سے پوچھا کہ کیوں جی تم مسلمانوں
کے مال کو خدا کا مال کیوں کہتے ہو، امیر معاویہ نے فرمایا ابوذر خدا تم پر رحم
کرے۔ بھائی! کیا ہم لوگ اللہ کے عباد اور اس کے بندے نہیں ہیں
اور مال جس کے پاس بھی جو کچھ ہے وہ اللہ کا مال نہیں ہے تو کس کا ہے
مگر حضرت ابوذر نے یہ سننے کے بعد بھی اصرار کے ساتھ فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو
(بلکہ مسلمانوں کا مال) ہی اس کو کہو، کہتے ہیں کہ امیر معاویہ نے فرمایا کہ اچھا آئندہ
میں اس کو مال المسلمین ہی کہا کروں گا۔[2]

الغرض اس قسم کی باتیں خصوصاً کنز والے مسئلے نے رفتہ رفتہ اتنی اہمیت
حاصل کی کہ حکومت دمشق اس سے متاثر ہوئی یعنی حضرت معاویہؓ کو مجبوراً
اس میں دخل دینے کی ضرورت ہوئی۔ وہ بھی آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے صحابی ہی تھے خود صاحب الرائے والاجتہاد تھے انھوں نے حضرت ابوذرؓ
کو بلوایا اور پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا ہے۔ حضرت ابوذر نے
قرآن کی مندرجہ بالا آیت پڑھ دی، مناظرہ کا سلسلہ جس طرح شروع ہوا اس

---

[1] انساب الاشراف بلاذری صفحہ ۱۶۵ ۔ [2] کامل ابن اثیر صفحہ ۳۴ ۔ ۳

ناقل خود حضرت ابوذر ہیں۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوذر کا مناظرہ

حضرت معاویہ۔ آپ نے مطلب غلط سمجھا ہے۔ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے رہبان و احبار کی شان میں نازل ہوئی ہے مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ؟

حضرت ابوذر۔ ہرگز نہیں وہ مسلمانوں کی شان میں ہے۔ طبقات میں یہ مناظرہ صرف اسی قدر منقول ہے۔ لیکن تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (واللہ اعلم) یہ سمجھ رہے تھے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے یعنی۔

ان کثیراً من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ۔

(بہت سے اہل کتاب کے علماء اور صوفیہ لوگوں کے اموال کو جھوٹے طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکا کرتے ہیں (یعنی قبر پرستی وغیرہ میں لوگوں کو الجھا کر اپنی مٹھیاں گرم کرتے ہیں)

وہ یقیناً احبار و رہبان نصاریٰ و یہود کے حق میں ہے چونکہ آیت والذین یکنزون الایۃ اسی رہبان و احبار والی آیت کے بعد ہے یہ صریح قرینہ ہے کہ اس آیت سے بھی مسلمانوں کو کوئی علاقہ نہیں، بلکہ جو لوگ یاکلون و یصدون کے فاعل ہیں وہی یکنزون کے بھی ہیں۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال مبارک یہ تھا کہ یہ آیت پہلی آیت سے بالکل الگ ہے ورنہ الذین کو مکرر کرنے کی کیا ضرورت تھی جس طرح یصدون کو بغیر (الذین) کے عطف کیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی کیا جاتا۔ یہ دلیل ہے کہ یہ آیت اس شخص کے لئے علم ہے

جو سیم و زر کو جمع کرتا ہے۔ خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ واقعہ کیا ہے جس آیت میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کا اختلاف ہو بے ادبی ہوگی اگر ہم جیسے کندۂ ناتراش ان میں فیصلہ کرنے کی جراءت کریں۔ یہ ایک ذوقی چیز ہے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ پلہ کس کا جھکا ہوا ہے۔

الغرض مناظرہ ہوتا رہا اور شاید ہفتوں ہوتا رہا۔ لیکن دونوں ایک ہی اکھاڑے کے پہلوان تھے ایک نے دوسرے کی بالکل نہیں سنی اپنی اپنی رایوں پر ہر شخص قائم رہا اور اس کا دونوں مجتہدوں کو اختیار تھا۔

کامل ابن اثیر میں قرآنی آیت کے ذکر کے بعد ایک دلچسپ آزمائشی لطیفہ بھی نقل کیا ہے ماحصل اس کا یہ ہے کہ جب باتوں سے کام نہ چلا تو امیر معاویہ نے کسی کو ایک ہزار اشرفیاں دے کر رات کو حضرت ابوذر کے پاس بھیجا اشرفیوں کو لے کر حضرت ابوذر نے صبح ہونے سے پہلے اربابِ استحقاق میں ان کو تقسیم کر دیا۔ امیر معاویہ نے صبح کی نماز کے بعد اسی شخص کو بلایا جو اشرفیاں لے کر حضرت ابوذر کے پاس گیا تھا اور اس سے کہا کہ تم ابوذر کے پاس جاؤ اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے کہنا کہ مجھے مصیبت سے نجات دلائیے بڑی سخت غلطی مجھ سے ہو گئی۔ امیر معاویہ نے دوسرے آدمی کے پاس یہ اشرفیاں بھیجی تھیں غلطی سے میں نے آپ کو پہنچا دیں۔ آدمی نے یہی کیا۔ حضرت ابوذر نے فرمایا کہ بیٹے! معاویہ سے کہنا کہ تمہاری اشرفیاں تو صبح ہونے سے پہلے خرچ ہو گئیں۔ البتہ تین دن کی مہلت دیں تو میں بندوبست کر سکتا ہوں۔ آدمی نے یہی پیغام پہنچا دیا۔ امیر معاویہ نے فرمایا کہ بیشک ابوذر جو کچھ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں رضی اللہ عنہ۔ گویا اس طریقہ سے امیر معاویہ نے امتحان لینا چاہا تھا

کہ یہ وعظ و نصیحت صرف دوسروں تک ہے یا خود بھی اس پر عامل ہیں ظاہر ہے کہ امتحان میں ابوذر اگر کامیاب نہ ہوتے تو اور کون ہوتا

حضرت ابوذر کو سمجھانے کے لئے چند صحابہ بھیجے جاتے ہیں

تھک کر معاویہؓ نے چند جلیل القدر صحابیوں کو دعوت دی جن میں ذیل کے حضرات تھے۔ حضرت ابو درداء و حضرت عمرو بن العاص حضرت عبادہ بن صامت حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب کو بلا کر آپ نے فرمایا۔

"کہ جس طرح ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے آپ لوگ بھی رہے ہیں جس طرح ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اور ان کے دیکھنے والے ہیں یہی شرف و عزت آپ لوگوں کو بھی حاصل ہے۔ پس کیا آپ لوگ جا کر انہیں سمجھا سکتے ہیں؟ (ہماری تو وہ نہیں سنتے) جنہوں نے آپ کی درخواست قبول کی اور ایک متفقہ وفد کی صورت میں یہ لوگ حضرت ابوذر کے گھر پہنچے جنہوں نے اپنے اپنے علم و فضل کے اعتبار سے آپ کی فہمائش کی کاش مورخین ان بیانوں کو نقل کرتے تو دلچسپ چیز ہوتی، مگر اس وقت تک کسی کتاب میں مجھے اس کی تفصیل نہ ملی۔

حضرت ابوذر نے جب سب کی گفتگو سن لی تو سب سے پہلے حضرت عبادہ[1] کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔

"اے ابوالولید (حضرت عبادہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ

---

[1] حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ معظمہ میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ اولیٰ میں ... اور انصار کے ایک نقیب اپنے قبیلہ کے یہ بھی تھے۔ دوسرے عقبہ اور تیسرے عقبہ ... (باقی تفصیل ملاحظہ)

ہم سے ہر بات میں مقدم ہیں آپ عمر میں بھی بڑے ہیں آپ کو
ہم پر بزرگی بھی حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
صحبت بھی آپ نے مجھ سے زیادہ اٹھائی ہے"

پھر اسی پر تو زیادہ تعجب ہے اور مجھے اس وجہ سے زیادہ
نفرت ہوئی کہ آپ بھی اس میں شریک ہوئے (یعنی باوجود
اس فضل وکمال کے آپ بھی سمجھانے آئے ہیں)

حضرت عبادہ سے تو صرف اس قدر فرما کر چپ ہو گئے اس کے بعد
علی الترتیب دوسروں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔

رہے تم جی ابو درداءؓ تو وہ وقت قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے تمہیں ایمان لانے کا موقع نہ ملے مگر
خیر تم ایمان لائے اور اس کے بعد بچے اور صلحائے مسلمین میں گنے
گئے ہوئے (یعنی تمہاری صحبت تو مختصر ہے) تم ہماری باتوں پر کیا
نکتہ چینی کر سکتے ہو منشاء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو

(سلسلہ صفحہ گزشتہ) سب میں یہ کہ تھے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے حضرت عمر
نے آپ کو شام میں معلم اور قاضی بنا کر بھیجا۔ حضرت معاویہؓ سے آپ کا بھی اختلاف ہو گیا تھا۔
لیکن حضرت عمرؓ نے پھر آپ کو واپس بھیجا اور کہا کہ معاویہ تم پر امیر نہیں ہیں ۳۴ھ میں آپ کا
انتقال ہوا ۱۲ استیعاب

؎ آپ کا نام عویمر تھا اپنے گھر میں سب سے اخیر میں مسلمان ہوئے آپ کا نام حکیم امت تھا
جلیل القدر لوگوں میں سے تھے۔ جس وقت آپ کو یہ خبر ملی کہ حضرت ابوذر مدینہ چھوڑ کر ربذہ چلے
چلے گئے تو فرمایا "انا للہ وانا الیہ راجعون" اگر ابوذر میری بوٹی بھی اڑا دیتا تو میں اس کی مذمت
نہ کرتا ۳۲ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ ۱۲ استیعاب۔

ہم سمجھتے ہیں یقیناً وہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی)
اور عمرو بن العاص[1] سے کہا کہ تم تو خود جانو کہ جہاد کے علاوہ
تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور کیا کیا ہے
(یعنی فضیلت صحبت ضرور حاصل ہے خصوصاً جہاد کی صحبت لیکن
مسائل شرعیہ کے سمجھنے کے لئے صرف اتنی صحبت کافی نہیں
ہو سکتی) بہ ہے میں تو سالہا سال حضور کی خدمت میں سفراً و حضراً رہا
ہوں اور تم صرف جہاد میں پس تم کو بھی مجھ پر اعتراض کا حق نہیں)
اور ان بیچاری ام حرام[2] کو کیا کہوں ایک عورت ہیں۔ پھر ان کی
عقل بھی ایک عورت ہی کی عقل ہو گی"
اور آخیر میں آپ نے ایک جملہ فرمایا جس کا مطلب ہمارے نزدیک
یہی ہے :
"کہ بس جو تم لوگوں کا حال ہے ان کا (یعنی حضرت معاویہ کا) بھی
اسی کے قریب ہے"
اس مفصل اور جلالی تقریر کو سن کر حضرت عبادہ دم بخود ہو گئے اور

---

[1] آپ سنہ ۸ھ میں اسلام لائے۔ اسی سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات السلاسل پر بھیج دیا اور اس کے بعد عمرؓ نے ایران پر۔ مصر اسکندریہ کے فاتح آپ ہی ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان جو معاملہ ہوا اس میں آپ شریک تھے اور یہ مشہور ہے ... میں انتقال ہوا انتقال کے وقت آپ کا جملہ یہ تھا "کہ مجھ پر تین زمانے گزرے ہیں کفر کا اور اسلام کا اور آخر میں بادشاہوں کی صحبت میں مبتلا ہوا اب نہیں معلوم کہ یہ باتیں مجھے فائدہ پہنچاتی ہیں یا نقصان" ۱۲ استیعاب

[2] حضرت انس کی خالہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت مانتے تھے۔ حضرت عبادہؓ کی بیوی ہیں۔ ایک جہاد میں ہمراہ تھیں کہ گر کر شہید ہو گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بشارت ملی تھی [illegible]

کہتے ہوئے واپس تشریف لے گئے

لا نجرم ما جلست مثل ھذا المجلس ابداً[1] — یقیناً میں ایسی مجلس میں کبھی نہیں بیٹھا رہا ہوں (ایسی کھری کھری سنائی جاتی ہو)

الغرض یہ لوگ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس تشریف لے گئے" حضرت معاویہ کو جاکر کہہ دیا ہوگا کہ ان سے ہم لوگ باتیں نہیں کر سکتے۔

آپ کی تبحر علمی پر ایک نظر

یہ ایک بڑی سخت نادانی ہے کہ صحابہ آپس میں جو باتیں کرتے ہیں لوگ ان کو اپنی نسبت سے خیال کر کے شکوک و وساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاصر تھے۔ برابری کے مدعی تھے آپس میں ایک دوسرے کو جو کچھ کہتے تھے ان کو اس کا حق حاصل تھا۔ لیکن ان کی باہمی مکالموں سے یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ ہم بھی پھر صحابہ کی شان میں وہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ نہ صرف خود ناشی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور آپ کی مجلس کی توہین کرنی ہے۔ ہمارے لئے ہر ایک صحابی بزرگ اور ہر ایک ان میں تمام امت کا سردار و پیشوا ہے بایھم اقتدیتم اھتدیتم کے الفاظ ایمان و اسلام کے نگینوں کی نقوش ہیں۔ اور ہر مسلمان کو اپنے مومن دل پر اس کو کندہ کر لینا چاہیئے۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ کسی صحابی نے اگر دوسرے کو کچھ کہا تو اس کی تحقیق میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انھوں نے کہاں تک درست فرمایا اگر پتہ چل جائے تو فبہا ورنہ اپنے علم کو متہم کرنا چاہیئے سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا تحقیق

---

[1] مسند احمد ساتھ ابی ذر ۱۲

ترجیح فرمایا ہوگا، لیکن ہم اسے سمجھ نہیں سکتے یا واقعات کے نہ معلوم ہونے سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ نہ سکے۔ الی غیر ذالک

بہرحال چونکہ حضرت ابوذرؓ سے اس مکالمہ میں فضیلت علمی کا دعویٰ پایا جاتا ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ مختصر لفظوں میں اس پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

حیدر کرار اقضی الصحابۃ و باب العلم کی اس شہادت کو پڑھو! اور خود غور کرو! کہ اگر آنحضرت نے ایسا فرمایا تو کیا غلط فرمایا۔ فرماتے ہیں۔

؎ "ابوذرؓ سخت حریص اور لالچی تھے۔ لالچی دین کی پیروی کرنے میں اور اس کی باتوں پر عمل کرنے میں اور حریص علم کے حاصل کرنے میں تھے، بہت زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے پھر کبھی انہیں جواب دیا گیا ہے اور کبھی نہیں لیکن اس پر بھی"

قد ملئ له في وعائه حتى امتلأ | ان کے لئے ان کا برتن بھر دیا گیا حتی کہ وہ لبریز ہو گیا۔

کیا علم کے صدا نہ کی یہ گواہی ابوذرؓ کے دعویٰ کی یہ دلیل نہیں۔ خود حضرت ابوذرؓ کبھی جوش میں آکر فرما دیا کرتے تھے کہ

؎ "ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت چھوڑے ہیں کہ فضاء آسمانی میں بازو ہلا کر اڑنے والا کوئی ایسا پرندہ نہیں رہ گیا تھا کہ جس کے متعلق کوئی خاص بات نہ معلوم ہوئی ہو۔"

اگر حضرت ابوذرؓ کی صداقت میں کسی کو شبہ نہیں تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ آپ کی علمی دسترس کا کیا حال ہوگا۔

؎ طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ [illegible] ۱۲

؎ مسند احمد مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ [illegible] و طبقات وغیرہ ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق

اور کون ہے جو ان کی سچائی میں کوئی شائبہ پیدا کرسکتا ہے جب کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر کی زبان و لہجہ کی صداقت کی خود تصدیق فرمائی ہے۔ صحیح حدیث ہے۔

ما اظلت الخضراء ولا اقلت	کسی زبان والے پر آسمان نے اپنا سایہ نہیں
الغبراء علی ذی لھجۃ	ڈالا اور نہ زمین نے اس کا بوجھ اٹھایا جو ابوذر
اصدق من ابی ذر	سے بھی زیادہ سچا ہو؟

کسی تصدیق و تزکیہ کے لئے اس سے زیادہ وزن دار زیادہ روشن تابان الفاظ اور بھی مل سکتے ہیں اور کیا اس حدیث کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ابوذر کے دعویٰ کو نبوی دعویٰ یعنی مرفوع حدیث کا حکم دے دیا جائے تو اصولاً کوئی مانع ہوسکتا ہے؟

بغرض مجھے کہنا یہ ہے کہ ابوذر کے علوم و معارف کی فراخ دامانیوں کا جب یہ حال تھا تو اگر انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قدم کو گزشتہ بالا باتیں کہہ کر واپس کردیا تو یہ کوئی اعتراض و طعن کا مقام نہیں ہوسکتا لمن کان لہ قلب

حضرت معاویہؓ کا تشدد

حضرت معاویہ نے خود سمجھایا اصحاب کو بھیج کر فہمایش کی کوشش کی لیکن جب کسی میں کامیابی نہ ہوئی۔ ادھر ادھر لوگوں کی شکایتوں سے آپ گھبرا گھبرا جاتے تھے تقریباً روزمرہ ارباب ثروت اصحاب دولت حضرت ابوذر کے خلاف میں عرضیاں پیش کرتے، اور درخواست دیتے کہ غرباءً عموماً ان کی طرف ہو کر ہماری ہجو و توہین کرتے رہتے ہیں، جدھر سے مالداروں کا گزر ہوتا کی زدوغ (؟) کی آیت و حدیث

ان کے سامنے غزا پڑھ دیتے جس سے خواہ مخواہ ان کی طبیعت متنفر ہو جاتی ہوگی۔"

انجام کار حضرت معاویہ نے مجبور ہو کر مصالح ملکی کو دیکھتے ہوئے منادی کرادی۔ کہ ابوذر کی مجلس میں کوئی شریک نہ ہو، ان کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے۔[۱]

جس وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ملی کہ مجھ سے مقاطعہ کا حکم دیا گیا ہے تو بجائے بگڑنے اور خفا ہونے کے اس حکم کے آگے آپ نے اسی وقت سر تسلیم خم کر دیا، اگر کوئی آپ کے پاس آکر بیٹھتا تو اسے منع فرماتے اور کہتے کہ معاویہ کا حکم ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی نہ بیٹھے۔ دیکھو تم اٹھ جاؤ میں تمہارے لئے کوئی مصیبت تیار کرنی نہیں چاہتا۔[۲]

ابن خلدون کا بیان ہے کہ فتنہ پردازوں کی ایک جماعت اس کے بعد آپ کے پاس آئی جس نے حضرت معاویہؓ کے خلاف ابھارا چاہا۔ لیکن چونکہ آپ کی وجہ سے وہاں کوئی فساد نہ اٹھا۔ اس لئے یہ غلطی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو نکال دیا۔

بلکہ البلاذری نے انساب میں تو صراحۃً یہ بیان کیا ہے کہ ان فتنہ پردازوں کو حضرت ابوذر نے یہ فرما کر نکال دیا کہ حکومت وقت کا اقتدار جس کے ہاتھ میں ہے یعنی مسلمانوں کے سلطان کو جو ذلیل کرے گا، پھر اس کے لئے توبہ نہیں ہے، فتنہ پردازوں نے یہ سن کر اپنی راہ لی۔ البلاذری سے[۳] وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے حضرت معاویہؓ نے آپ سے جو کچھ گفتگو کی یا

---

[۱] طبقات صفحہ ۱۲۔ [۲] طبقات صفحہ ۱۲
[۳] ابن خلدون صفحہ ۳۔ طبقات و مسند ۱۲۔

گرائی وہ شخص ایک صحابی ہونے کی حیثیت سے تھی اس لئے اس کا ماننا آپ کے لئے ضروری نہ تھا۔

اور یہ حکم آپ کا حیثیت نائب الخلیفہ امیر الملک ہونے کے تھا۔ جس کی مخالفت حضرت ابوذر سے ناممکن تھی حضرت معاویہؓ تو ایک قریشی نژاد جلیل القدر صحابی تھے آپ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی جسے اکثر خود بھی فرمایا کرتے تھے۔

"کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے کہ اگر کوئی حبشی گوش بریدہ غلام بھی تم پر امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرنا اور اس کے حکموں کو ماننا"

اور جب ایسے غلام کی اطاعت تک پیغمبر نے آپ کے لئے ضروری ٹھہرا دیا تھا تو محال تھا کہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے وہ سرتابی فرماتے۔ اور ان کے خلاف میں کوئی علم بغاوت العیاذ باللہ بلند فرماتے۔

لیکن اس کا علاج نہ تھا کہ دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے۔ آپ ان کو لاکھ منع فرماتے تھے لیکن جو کشش آپ میں تھی وہ ان بیچاروں کو کھینچ کر آپ کے قدموں پر ڈال رہی تھی۔

اور جب وہ آجاتے تو پھر آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مشغلہ کو زندہ کرتے کیونکہ حضرت معاویہ نے صرف اس بات کی منادی عامہ مسلمین کے لئے کی تھی کہ وہ ان کے پاس نہ جائیں لیکن خود حضرت ابوذر کو بالیقین نائب الحکومت سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حدیثیں نہ بیان کریں یا مسائل وفتاوی کی اشاعت نہ کریں اس لئے جب لوگ آجاتے تو پہلے ان کو اٹھاتے لیکن جب نہیں ملتے تو پھر ان کے سامنے

کچھ نہ کچھ بیان کرتے تھے۔

آپ کی تبلیغی اولوالعزمیاں

اس وقت تک کثرت سے ایسے واقعات گزر چکے ہیں جن میں آپ کے اس ذوق کی پوری تجلیاں موجود ہیں۔ تاہم اس لئے کہ جب خواہ مخواہ لوگ برہم ہوتے تھے تو آپ نے خاموشی کیوں نہیں اختیار کی؟ ہم چاہتے ہیں کہ اس پر ایک مستقل لیکن مختصر تبصرہ اور آپ کے خیالات کا ایک عکس پیش کردیں۔ صحاح میں ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"کہ اگر ابوذر کی اس رگ گلو پر تلوار کی دھار بھی رکھ دی جائے اور کسی بھی بات کی تبلیغ اس سے رہ گئی ہو تو وہ اسے نافذ کرکے رہے گا۔"[1]

یہ بھی عموماً آپ بیان کیا کرتے تھے۔

"کہ میرے دوست (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت کی ہے کہ میں سچ بات کہوں اگرچہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔"

اسی طرح آپ کا قول یہ بھی تھا

"کہ ان لوگوں (یعنی خلفاء و امراء) کی اطاعت ہم پر ضرور فرض ہے۔ مگر ان تین باتوں میں یہ مانع نہ ہوں بھلائی اور نیکی کی تعلیم دینے سے، برائیوں کے روکنے سے۔ اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اشاعت و نشر دل کھول کر کریں۔"[2]

ظاہر ہے کہ تبلیغ و اشاعت کا جذبہ جس کے سینے میں اس طرح ہیجان انگیز ہو وہ لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر اگر بے قرار نہ ہو تو آخر کیا ہو۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کے

---

[1] مسند احمد ج ۵

مواعظ و تذکیرات کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس باب میں تمام صحابہ سے
الگ تھلگ ایک خاص ذوق سے آپ مالک تھے۔ حج کے موسم میں خصوصیت
کے ساتھ آپ کا یہ تبلیغی جذبہ خاص طور پر ابھر آتا۔ جہاں کچھ لوگ نظر آئے
اور کھڑے ہوگئے فرماتے۔

"لوگو! دوڑو ایک مہربان بہی خواہ بھائی کی طرف! میں ہوں
جندب غفاری"

کبھی کسی کی زنجیر تھامے ہوئے تقریر فرماتے۔

بہرحال ممکن تھا کہ حضرت معاویہ خود آپ ہی کو درس و وعظ سے
روکتے، لیکن ان کا دل حضرت ابوذر کی قدر کرتا تھا۔ آپ ان کی عظمت اور
جیسی کچھ قدر ان کی کرتے تھے وہ اس حکم کے نفاذ میں دامن کش ہو جاتا۔
ارادہ بھی کرتے تھے، لیکن مروت و ادب مانع آ جاتا۔

دربارِ خلافت سے طلبِ تائید

آخر جب خود اُن سے کچھ نہ ہو سکا تو مجبور ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی خدمت میں اُنھوں نے چٹھی لکھی۔ دمشق کے لوگوں کی یہ بھی اور
حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ وغیرہ کا قصہ انھیں لکھ بھیجا
اور اخیر میں لکھا۔

"ابوذر کی وجہ سے یہاں بہت فساد برپا ہو رہا ہے آپ انھیں
مدینہ منورہ بلوا لیں۔"[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجبوریوں کو دیکھ کر حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مناسب خیال کیا کہ انھیں شام سے بلا لیا جائے

[1] طبقات ق ۱ ج ۴ ص ۱۲۰

اور ایک خاص آدمی اس کام کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کے نام بھی یہ فرمان تھا کہ "تم ابھی مدینہ چلے آؤ"۔[1]

دمشق سے روانگی

جس وقت حضرت ابوذر کو یہ فرمان ملا بلا کسی چون و چرا و لاؤ نعم کے اسی وقت تن تنہا اس شخص کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے جو آپ کو مدینہ سے لینے آیا تھا۔ حتیٰ کہ بال بچوں کے لے جانے کا سامان بھی عجلت میں آپ نہ کر سکے۔ بعد کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطمینان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی مدینہ روانہ کر دیا[2] جب آپ کے اہل و عیال مدینہ آگئے تو سامانوں میں ایک کیسہ برآمد ہوا جس میں پیسے بھرے ہوئے تھے۔ مدینہ میں یہ خبر مشہور تھی کہ آپ مال جمع کرنے کے مخالف ہیں اس لئے لوگوں کو تعجب ہوا۔ مگر جو توضیح میں نے آپ کے مذہب کی کی ہے اس کے بعد اعتراض کب باقی رہتا ہے۔

مدینہ کا داخلہ

خود آپ ہی کا بیان ہے کہ جس وقت میں مدینہ میں داخل ہوا خلق اللہ تھی کہ ٹوٹی پڑتی تھی ہر چہار طرف سے لوگوں نے مجھے گھیر لیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس سے پہلے انہوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

مدینہ میں بھی اس مسئلہ کا افشا، اور لوگوں کی برہمی

زائرین و مشتاقان جمال ابوذری کا یہ ہجوم ایک دو دن تک محدود نہ رہا۔ بلکہ روزانہ لوگوں کی ایک بھیڑ آپ کے گرد رہتی تھی۔ جیسا کہ آپ کی عادت تھی یہاں بھی آپ نے وعظ و پند کا دروازہ کھول دیا منجملہ اور باتوں کے آپ اس ضمن میں مسئلہ کنز کو بھی بیان کرتے تھے۔

---

[1] طبقات ص۱۶۶ ج ۴، ۱۲ [2] طبقات ایضاً ۱۲

یہ ایک ایسا دل خراش منظر تھا کہ نا سمجھ دولتمندوں کی پیشانیاں بالآخر یہاں بھی چڑھنے لگیں غربا امیروں پر ٹھٹھے لگانے لگے واہ واہ کی صدا ہر طرف بلند ہونے لگی۔

آہستہ آہستہ یہاں بھی اس مسئلہ نے زور پکڑا مسند احمد میں صاف طور سے مذکور ہے۔

"کہ مدینہ والے آپ سے بگڑ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی شکایت شروع کی۔"

بہرحال "بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است" مخالفین نے یہاں بھی آپ کو ستانا شروع کیا حضرت عثمانؓ کے کان میں کثرت سے یہ آواز پہنچائی گئی۔

"کہ جس وجہ سے انہیں شام سے بلوایا گیا مدینہ میں بھی آکر انہوں نے وہی سلسلہ چھیڑ دیا ہے ایک فساد برپا ہو رہا ہے۔"[1]

دربار خلافت میں کعب احبار سے مناظرہ

حضرت عثمانؓ نے تنگ آکر آخر آپ کو بلوایا دربار میں کعب احبار موجود تھے حضرت عثمانؓ نے اشارہ کیا، ان سے بحث کرو اور سمجھاؤ۔[2] کعب احبار آگے بڑھے اور مخاطب کرکے اس طرح تقریر شروع کی۔

---

[1] حیات صحابہ ج ۲ - ۱۲

[2] علامہ بلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ گفتگو کی ابتدا ایک خاص مسئلہ سے خود حضرت عثمانؓ نے کی یعنی آپ نے حضرت کعب کو مخاطب کرکے یہ مسئلہ پوچھا کہ مسلمانوں کے امیر اور امام کے لئے کیا یہ جائز ہے کہ بطور قرض کے بیت المال سے کچھ لے اور حسب سہولت ادا کر دے۔ اس پر کعب احبار نے فتویٰ دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بس اس مسئلہ پر حضرت ابوذرؓ کو کعب احبار پر غصہ ہوگیا ...

"آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذہبوں میں سب سے زیادہ آسان
و معتدل شریعت مذہب اسلام کی ہے۔ اسلام کا ہر قانون انسانی
فطرت کے موافق اور ان کی ضرورتوں کے مطابق ہے اور آپ کو یہ بھی
معلوم ہے کہ موسوی شریعت تمام شریعتوں میں سخت گیر اور کڑی ہے۔
پھر جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی مال جمع کرنے کی
ممانعت نہیں ہے جب یہودیوں کو بھی اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی
ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا دیں تو اسلام کی معتدل و متوسط شریعت
میں یہ سخت قانون کس طرح ہو سکتا ہے؟ کہ جو کچھ ضرورت سے زیادہ
بچ جائے اسے خدا کی راہ میں لٹا دیا جائے ورنہ قیامت کے دن
وہ انگارے بن کر لپٹیں گے۔"

ایک اور معارضہ بھی کتابوں میں منقول ہے، انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ
وہ بھی کعب احبار کی منطق و دماغ کا نتیجہ ہے، بہر کیف اس کا خلاصہ یہ ہے:

"کہ جب ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ
میں لٹا کر مرے، اور اپنے پاس کچھ اندوختہ نہ چھوڑے، تو پھر اللہ
تعالیٰ نے میراث کی آیتیں کیوں نازل فرمائیں جب میت کے لئے
کچھ چھوڑ کر مرنا جائز ہی نہیں، تو وارثوں پر کیا چیز تقسیم ہوگی، الغرض
قرآن کی اقتضاء النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل مال کو خدا کی راہ
میں خرچ کرنا ضروری نہیں ہے۔"[1]

ایک تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جذب غالب تھا۔ دوسرے
دونوں بحثیں قریب قریب ان کے مدعا سے محض بے تعلق تھیں، کیوں کہ ابھی تم

---

[1] روح المعانی صفحہ ج ۳ ۔ ۱۰

پڑھ آئے ہو کہ مطلقاً مال اندوزی کے وہ مخالف ہی کب تھے۔

اور یہ کل اعتراضات اس پر پڑ سکتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے آخر وسعت و فراخی کا مدار کیا صرف اس پر ہے کہ گھر میں سونا چاندی ہو، زمین اونٹ چاقور، اموال تجارت وغیرہ سے وسعت و فراخی نہیں حاصل ہوتی، پھر اگر سونے چاندی کے دفینہ بنانے کی ممانعت میں ایسی سختی کیا پیدا ہوتی ہے، جس سے اسلام کے اعتدالی مسلک پر حرف آ سکتا ہے۔ اسی طرح کیا میراث صرف زر و سیم ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور مالوں میں وراثت کیا جاری نہیں ہوتی؟

حضرت ابوذر کا اصرار جو کچھ بھی تھا وہ محض چاندی سونے کی حد تک محدود تھا، اور اس کا منشا بھی وہی تھا کہ یہ دونوں چیزیں بیکار رکھ چھوڑنے کی نہیں ہیں، اور اس میں ایسی کونسی بات ہے جسے ہم فطرت اسلامی پر ظلم قرار دے سکتے ہیں۔

بہرحال میں بتا چکا ہوں کہ حضرت ابوذر نہ تین و نقدین دونوں اعتبار سے کنز کو غیر مفید سمجھتے تھے اور اس پر آیت قرآنیہ احادیث نبویہ نیز اصول اسلامیہ سے روشنی ڈالتے تھے، لیکن کعب احبار نے مسئلہ کی لم کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منشا کے موافق نہ سمجھ کر اور یہ خیال کر کے کہ یہ مطلقاً مال جمع کرنے کو حرام کہتے ہیں، اعتراضات کر دئے، اور اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ بیچارے صحابی بھی نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے، اور اعتراض بھی کیا تو اس شخص پر جس پر عام صحابیوں کو بھی نکتہ چینی اور اعتراض کی ہمت مشکل ہی سے ہوتی تھی۔

الغرض مجموعی طور سے بیان پر کچھ ایسی باتیں جمع ہو گئیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غصہ تھم نہ سکا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب

کوئی چھوٹا آدمی کسی بڑے آدمی پر نا سمجھی کے ساتھ اعتراض کرتا ہے، اور پھر مطلب پوچھنے کے نہیں بلکہ الزام دینے کے لئے، تو یقیناً آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے خصوصاً جب اس میں جذبیت کی بھی کچھ کھٹک باقی ہو گی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جواب وغیرہ تو کیا دیتے وہیں بھرے دربار میں

ل دربار عثمانی میں جو گفتگو ہوئی بعضوں نے تو اس کی وہی تفصیل بیان کی ہے جسے اصل کتاب میں نے درج کیا ہے، لیکن کامل ابن اثیر وغیرہ میں اسی گفتگو کو جس انداز سے نقل کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان نے شام سے واپس بلانے کے بعد حضرت ابوذر سے فرمایا کہ شام کے لوگ تمہاری زبان کی تندی و تیزی کے شاکی ہیں، اس کے بعد بولے، جیسا کہ لکھا ہے حضرت عثمان نے کہا کہ ابوذر! ہم پر ذمہ داری جو کچھ عاید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خود جو باتیں ہم پر واجب ہیں انہیں ادا کریں اور رعیت کو بھی کمزوروں کی امداد اور اعمال میں اعتدال و اقتصاد کی دعوت دیں، لیکن ہم پر یہ تو واجب نہیں ہے کہ لوگوں کو ترک دنیا اور زہد پر مجبور کریں۔ یہ سن کر بجائے جواب دینے کے حضرت ابوذر نے زور زور سے کہنا شروع کیا "ہرگز ہرگز امیروں سے راضی نہ ہونا چاہئے جب تک نیک کاموں پر اپنی دولت نہ خرچ کریں۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش نہ آئیں، بھائیوں کی خبرگیری نہ کریں، اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی نہ کریں" دراصل یہ جواب تھا جو حضرت عثمان کو دے رہے تھے کہ میں ترک دنیا پر کب لوگوں کو مجبور کرتا ہوں بلکہ امراء سے فقراء کے حقوق دلاتا ہوں۔ لکھا ہے کہ اسی موقع پر کعب احبار کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ جس نے فرض ادا کر دیا یعنی زکوٰۃ ادا کردی بس اس پر جو بات فرض تھی اس سے وہ سبکدوش ہو گیا۔ یہی نقطہ نظر تھا ابوذر اور دوسروں میں یہی فرق تھا۔ اسی بات پر غصہ آگیا۔ اور کعب احبار کی طرف یہ کہتے ہوئے جھپٹے کہ "لے تو کون ہوتا ہے جو یہاں اور اس مقام پر آکر بول رہا ہے" اسی کے ساتھ ڈنڈا بھی رسید کیا جس سے کعب کا سر کھل گیا دیکھئے ابن اثیر ج ۳ - ۱۲

حضرت ابوذر نے سونٹا اٹھا کر کہا کہ "او یہودن کے بچے یہ کیا باتیں بناتا ہے"۔[1]

کعب احبار نے دیکھا کہ معاملہ بگڑتا ہوا نظر آتا ہے کہیں حضرت ابوذر سونٹا رسید نہ کر دیں۔ بیچارے بھاگے۔ حضرت ابوذر بھی کب چھوڑنے والے تھے غصہ بھڑکا ہوا تھا، یہ بھی لاٹھی لئے ہوئے اُن کے پیچھے روانہ ہوئے وہ بھاگتے جاتے تھے، اور یہ کچھ بُرا بھلا کہتے ہوئے تعاقب کرنے لگے آخر میں تنگ کر کعب احبار حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھے اور اپنے کو ان کی پشت مبارک پر ڈال دیا۔

مگر حضرت ابوذر وہاں بھی پہنچ ہی گئے گو حضرت عثمان کو وہ خلیفہ ضرور سمجھتے تھے لیکن اپنا بھائی اور ساتھی بھی تو خیال کرتے تھے غرض پہنچ کر آپ نے ایک سونٹا چلا ہی دیا۔ عام روایت تو یہی ہے کہ وہ مجذوبی لاٹھی کعب ہی پر پڑی لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اچٹ کر حضرت عثمانؓ کی پشت مبارک پر جا کر پڑ گئی۔[2]

---

[1] ابوذرؓ کی زبان سے غصہ میں یہ فقرہ نکل گیا ہوگا اور ایک مجذوب آدمی ایسی باتوں میں معذور ہے۔ ابن خلدون میں ہے کہ آپ نے "اے یہودیہ کے بیٹے" کہا طبری میں محجانہ عصا یعنی لاٹھی لکھا ہے کہ آپ نے اپنے محجن سے کعب پر حملہ کیا، محجن بھی ایک قسم کی لاٹھی ہوتی ہے جس کی نوک پر آخر میں آنکس کے مانند لوہے کی کوئی چیز لگی رہتی ہے ۱۲

[2] یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے جس سے تفسیر روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۶۵ میں یہاں نقل کیا ہے ابن خلدون نے خدا جانے کہاں سے نقل کیا ہے کہ کعب احبار کے بھی چوٹ آئی اور سر کھل گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زخم کو دکھ کر یعنی اپنی خاطر سے معاف کرا دیا۔ انساب الاشراف میں البلاذری نے بھی کعب احبار پر حضرت ابوذر کے اس جلال عزیز کا ذکر کیا ہے، اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا "اے یہودیہ کیا ہم لوگوں کو تو ہمارا دین سکھاتا ہے" اگر یہ صحیح ہے تو اسی فقرے میں کعب احبار کے تمام اعتراضوں کا جواب مستور تھا۔

ممکن ہے کہ ایسا ہو گیا ہو کہ اس قسم کی وصیت کا مشیروں میں یہ کوئی بعید نہیں۔

لیکن منقول نہیں کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر اس سے کوئی بل بھی آیا ہو، اور کس طرح آسکتا تھا، وہ خلیفہ کیا، بلکہ اس زمانہ میں ایشیا اور افریقہ کے سب سے بڑے بادشاہ تھے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتے تھے، کہ ابوذر بھی ایک ایسے طائفہ کا سرخیل اور سلطان ہے جس کی گدایوں اور لاٹھیوں پر دنیا کے ہزاروں بادشاہ اپنے زر و جواہر نثار کریں گے اور پھر انھیں حسرت رہ جائے گی کہ حق ادا نہ ہوا۔

غرض کہ یہ مجلس یوں ہی ختم ہو گئی۔ اور کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

حضرت ابوذر پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بدگمانی اور اس کی صفائی

اس مجلس سے آپ اس وقت تو اٹھ کر چلے آئے لیکن اس کے بعد ایک سخت حادثہ پیش آیا۔ یعنی جن دنوں حضرت ابوذر شام سے مدینہ آئے اسی زمانہ میں عبداللہ بن سبا یہودی[1] بہ علامت مسلمانوں کی صورت میں ظاہر ہو کر بغاوت و سازش کی اندرونی تحریکوں میں مصروف ہو چکا تھا۔ بلکہ ابن خلدون وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب شام ہی میں تھے اسی وقت سے وہ اس فکر میں اسلامی شہروں میں کی سیر کر رہا تھا۔ اور مختلف صحابہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق

---

[1] یمن کا ایک یہودی تھا با نفاق مسلمان ہوا رئیس اسلام نے لکھا ہے کہ منافقانہ طور پر عہد عثمانی میں مسلمان ہو جانے کا دعویٰ کر کے اسلامی ممالک میں اپنی ایک مخفی سوسائٹی کے سلسلہ سازش کا ایک جال بچھا دیا۔ الذہبی نے لکھا ہے کہ وہ آگ بھڑکانے والا تھا، سبائیوں کا سرغنہ، آخر حضرت مرتضیٰ علیہ السلام نے آگ میں جلوا دیا دیکھو لسان المیزان ص ۲۹۰ ج ۳

ابھارنے کی کوشش میں سرگرم تھا۔

اس فتنے کی مفصل کیفیت احقاسم میں بعنوان "یہودیوں کی زبردست سازش اسلام میں" کے عنوان سے مدت ہوئی تفصیلی لکھ چکا ہے۔ اس لئے میں اس کو یہاں پھیلانا نہیں چاہتا۔ تفصیلی طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کو اس فتنے کا گو علم اس وقت نہ ہوا لیکن اجمالی طور پر آپ کو اتنا ضرور معلوم ہوگا تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہماری طرف سے بددل و بدگمان ہو رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جس وقت آپ کو یہ علم ہوا تھا یقیناً اسی وقت آپ خلافت سے ہوسکتا تھا کہ دست بردار ہو جاتے لیکن خدا کی مرضی یہ نہ تھی خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس محبوب صحابی اور عزیز داماد کو وصیت کی تھی۔

> "اے عثمان شاید خداوند تعالیٰ تم کو کوئی قمیص پہنائیں گے۔ پس اگر منافقین (یعنی عبداللہ بن سبا واتباعہ) تیرے بدن سے اس قمیص کو اتارنا چاہیں تو دیکھو تم خود اس کو کبھی نہ اتارنا۔ حتیٰ کہ مجھ سے آکر ملو" لہ

ظاہر ہے کہ اس قمیص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد خلافت تھی۔

اس صورت میں ان کی کیا مجال تھی کہ اس وصیت نبویہ کے بعد بھی آپ عبداللہ بن سبا کی ان ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر فقط اپنی زندگی کو مطمئن بنانے کے لئے سریر خلافت چھوڑ دیتے، دیوانے ہیں جو ایسا سمجھتے ہیں! آسمان زمین پر گر جاتے یا زمین پھٹ کر دنیا کو نگل جاتی اس وقت بھی عثمان جیسے مطیع و فرماں بردار غلام سے یہ ناممکن تھا کہ اپنے آقا صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی

لہ ترمذی ج

زبان مبارک سے سنے ہوئے کلمات کی خلاف ورزی کرے۔

یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کا یہ عقیدہ و جزوِ ایمان تھا کہ مصلحت وہی مصلحت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت و نقصان خیال فرمایا۔ اور فائدہ بھی صرف وہی فائدہ ہے جسے حضور نے فائدہ سمجھا ہو۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی امید ہی بوالہوسی ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کی آنکھوں نے آفتاب رسالت کے سامنے مصالح و تقیہ کی چراغوں کو کبھی نہیں دیکھا، اور نہ دیکھنا چاہا۔ ان کی زبان میں جب کبھی جنبش ہوئی تو انہیں لفظوں کے ساتھ ہوئی۔

"کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد لیا ہے
اور میں اس پر صبر کے ساتھ قائم ہوں اور رہوں گا" [1]

اور آخر یہی ہوا کہ صرف اپنے آقا کے پاس عہد میں سمجھ کر اور جان ایک جلیل القدر رحیم مربی نے بعد جیسی قرآن کے اوراق پر اپنے پاک لہو کو بہا دیا اور خوشی سے بہا دیا فرضی اللہ عنہ

زخمیم بامنت دل پر خوں گزاشتیم — جاں بالعبیدگاہ تو در خوں گزاشتیم

ہوا و ہوس کے پھندوں میں گرفتار رہنے والوں کا کیا جواب ہے جو عشق و سرمستی کی چاشنیوں سے محض نابلد ہیں وہ کیا جانیں کہ کیا کرنا چاہئے تھا اور کیا نہیں کرنا چاہئے تھا جس سلسلہ نے اسلام سے ہمیشہ اپنا تعلق رکھنے کا امتیاز:

اندیشۂ زیاں و غم سود شستہ ایم

رکھا ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ پیرو ہیں کے مقابلہ میں نفع و ضرر کی داستانوں کو دہرا کر بیہودہ ہذیانوں سے اپنے اوراق سیاہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟

---

[1] ترمذی ۱۲

علاوہ اس کے کون کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے استعفا کے بعد عبداللہ بن سبا کی سازشوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ کیا عبداللہ عثمان کا دشمن تھا جو اس کی امید لگائی جاتی ہے جس کی بیخ کنی کے وہ درپے تھا وہ تو حضرت عثمان رضؓ کے بعد بھی باقی رہتا اور رہا۔[1]

خیر یہ تو ایک ضمنی بحث تھی دل دکھا ہوا ہے اس لئے قلم رکتا نہیں

میرا مقصود یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضؓ کے کان میں ان خفیہ چہ میگوئیوں کی بھنک پہنچی تو فطرتاً آپ اس کا پتہ لگانے لگے کہ کون کون لوگ اس فتنہ میں شریک ہو رہے ہیں۔

میں ابن خلدون کے حوالے سے لکھ چکا ہوں کہ مفسدوں کی ایک جماعت شام میں حضرت ابوذر کے پاس پہنچی تھی۔ اور آمادہ بغاوت کرنا چاہا تھا۔[2] ممکن ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کو اس کی خبر ہو گئی ہو۔

ادھر مناظرہ کا ایک ناگوار واقعہ اور پھر شام سے ان کو یکایک مدینہ بلوا لینا۔ یہ چند باتیں ایسی پیش آگئیں کہ آپ کو حضرت ابوذر سے بھی کچھ بدگمانی ہو گئی۔

ممکن ہے کہ آپ نے اس خطرہ کا تذکرہ کسی کے سامنے کیا ہو۔ بہرکیف کچھ ہو۔ حضرت ابوذر کو کسی طرح سے یہ خبر مل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری طرف سے بھی بدگمان ہیں۔

---

[1] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن سبا کان یہودیا فاظہر الاسلام وطاف بلاد المسلمین لیلفتہم عن طاعۃ الائمۃ ویدخل بینہم الشر (لسان المیزان) یعنی ابن سبا یہودی تھا بظاہر اسلام اختیار کرکے مسلمانوں کے شہروں میں گھومتا پھرتا تھا تاکہ مسلمانوں کو اپنے امراء کی اطاعت سے برگشتہ کرے اور باہم مسلمانوں میں شر وفساد پھیلا دے۔

[2] ابوالفداء نے بھی لکھا ہے کہ شام ہی میں فتنہ پردازوں کا یہ گروہ حکومت کے خلاف حضرت ابوذر کو آمادہ کرنے لگا تھا۔

یہ سنتے ہی آپ کو جلال آگیا۔ اسی وقت آپ اُٹھ کر اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کو لے کر سیدھے آستانۂ خلافت کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ پر اس کیفیت کے سننے سے ایک ایسی کیفیت طاری ہوگئی تھی کہ گویا مدہوش ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ جس دروازہ سے مکانِ خلافت میں جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی آپ درہ لئے ہوئے اسی میں گھس گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ کو اس طرح آتے ہوئے دیکھا تو یکایک آپ پر خوف طاری ہوا۔[1] جو خطرہ ابھی تک ظن و گمان کی حد تک محدود تھا اس نے یقین کی شکل اختیار کی۔

لیکن فطری وقار و تمکنت نے بظاہر آپ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا جس طرح جلوس فرما تھے اسی طرح بیٹھے رہے۔

اتنے میں حضرت ابوذر قریب پہنچ گئے۔ اور سامنے آکر فرمایا "السلام علیکم" اور قبل اس کے کہ کچھ مزاج پرسی کریں گھبرائی ہوئی آواز میں آپ نے کہا۔

احسبتنی منھم یا امیر المومنین	کیا آپ مجھے بھی ان لوگوں میں گمان کرتے ہیں (یعنی مفسدوں میں) اے مسلمانوں کے امیر!

اور اس کے بعد اس زبان نے جس سے زیادہ سچی زبان آسمانوں اور زمین کے درمیان اور کوئی نہ تھی اس طرح اپنی بات شروع کی۔

"قسم خدا کی نہ میں ان لوگوں میں ہوں اور نہ ان کو جانتا ہوں کہ یہ لوگ ہیں ان کی علامت تو گھٹے ہوئے سر ہیں وہ دین سے اس طرح دور ہوں گے جس طرح شکار کو تیر توڑ کر نکل جاتا ہے"

---

[1] طبقات ،، [2] چونکہ تفصیلی طور پر آپ کو بھی اس کا علم نہ تھا صرف شام میں ایک دفعہ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تھے اور وہ بھی خدا جانے صحیح ہے یا نہیں۔ بہرحال آپ کا علم اس فتنے کے متعلق صرف بالواسطہ

ابوذرؓ کی برأت کے لئے یہ الفاظ خصوصاً جب وہ قسم کے ساتھ ہوں بہت
کافی تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو عظمت و وقعت آپ کے
دل میں تھی اس نے بس کرنے نہ دیا آپ کو فکر اور سخت فکر دامن گیر ہو گئی تھی
کہ حضرت عثمان کے دل سے یہ خیال کسی طرح مٹ جائے۔

اس وقت کی بے چینی ٹھیک اس بے چینی کے مشابہ تھی کہ کسی کا محبوب
کسی سے بدگمان ہو گیا ہو اور شیدائے جاں نثار سر بہ پاؤں رکھ کر ہر ایک ممکن العمل
ذرائع سے اس کی کشش کرنا چاہتا ہو آبگینۂ دل احباب کی نزاکتوں کا خیال کر کے
مکرر الحاح اور التجاؤں سے اپنی صفائی پیش کر رہا ہو۔

حضرت عثمان تو بیٹھے ہوئے ہیں اور ابوذرؓ کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے ہیں

"اگر آپ مجھے حکم دیں کہ بالاخانوں کی کڑیوں میں لٹک جاؤں تو میں
سچ کہتا ہوں کہ اسی وقت لٹک جاؤں گا اور لٹکا رہوں گا جب تک
آپ ہی اس کے چھوڑنے کا حکم نہ دیں (یعنی یاد رکھیے یہ ایک تو کام
ہوگا لیکن آپ کی خاطر و اطاعت مجھے اس درجہ منظور ہے کہ نفع و ضرر کا
خیال دماغ میں آ ہی نہیں سکتا) اسی طرح اگر آپ فرمائیں کہ کھڑا ہو جا
تو میں کبھی نہیں بیٹھوں گا جب تک آپ ہی حکم نہ دیں۔ (فتح الباری)

مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
اٹھے اور ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ ولنعم ما قیل۔ ؎

ملتے ہی آنکھ رنج نہ تھا رشک غیر کا ۔۔۔ کیا جانے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اسی قدر تھا جس قدر حضرت عثمان کو کچھ لوگ آمادۂ فساد ہیں اور اس ظلم کو علم
نہیں کہہ سکتے" ماخوذ از طبقات ج ۴

لہ یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔ ۱۲

طبقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد دیر تک دونوں میں کچھ سرگوشیاں بھی ہوتی رہیں حتیٰ کہ کبھی کبھی آواز بلند بھی ہو جاتی تھی[1]

آخر جب یہ مجلس راز و نیاز ختم ہو گئی اور خدا جانے کن باتوں پہ ہوئی کہ ادھر حضرت عثمانؓ کا سینہ بھی اسرار نبویہ کا گنجینہ تھا۔ ادھر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ پوچھنے والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار دریافت کرنا چاہتے ہو تو میں کبھی نہیں بتا سکتا ہے[2]

جہاں دونوں طرف یہ حال ہو وہاں بادشاہ کی رسائی اور وہ بھی سرگوشی کے موقع پر جو کچھ ہو سکتی ہے وہ معلوم ہاں! طبقات ہی سے اس قدر اور بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جب حضرت ابوذر اٹھے تو باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور مسکراتے ہوئے باہر نکلے، لوگوں نے پوچھا بھی کہ امیر المومنین اور آپ سے کیا باتیں ہوئیں۔ لیکن آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف اس قدر فرماتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

میں کہنے والا فرماں بردار ہوں اگر مجھے وہ حکم دیں گے کہ تم عدن یا صنعار چلے جاؤ اور مجھ میں طاقت چلنے کی باقی رہے گی تو میں اسی وقت چلا جاؤں گا ہے[3]

مدینہ سے کوچ اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کو بھی چھوڑ دیا لیکن کیوں چھوڑا۔ عام مورخین تو لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا مگر اس باب میں سب سے زیادہ وثوق کتاب

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۵۵ ج ۴ - ۱۲ [2] مسند احمد ۱۲

[3] طبقات ابن سعد ۱۲

طبقات ابن سعد ہے علاوہ بہت سی خصوصیتوں کے سب سے بڑی خصوصیت
اس میں یہ ہے کہ طبقات صحابہ میں سب سے پہلی اور قدیم کتاب ہے۔ بعد والوں
نے جو کچھ بھی لکھا ہے عموماً اسی کے رہین منت ہیں اس لئے میں اس وقت جو
کچھ لکھوں گا اسی سے لکھوں گا

طبقات میں مختلف روایتیں ہیں لیکن یہ کسی میں نہیں ہے کہ حضرت
عثمان رضؓ نے ابوذر کو جلاوطن کر دیا تھا۔ حالانکہ یہ ایک اہم واقعہ ہے کوئی وجہ
نظر نہیں آتی کہ ابن سعد کو اس کی خبر کیوں نہیں ہوئی اور متاخرین اس پر کہاں سے
مطلع ہوئے لیکن تھانہ والے چوروں کو پہچان لیتے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں
کہ یہ روایت اسلامی تاریخوں میں کہاں سے داخل ہوئی اور کس غرض سے داخل
ہوئی۔ آہ! کہ عبد اللہ بن سبا مسلمانوں کے راستوں پر نہایت احتیاط سے
بیٹھا اور اس نے وہ کام کئے جو اس کے نجدی شیخ کو بھی نہ سوجھی۔

لمثل هذا يذوب القلب — اسی قسم کے واقعات سے بوجہ اندوہ ناکی کے
من كمد ان كان في القلب — قلب پگھل جاتا ہے اگر ان میں اسلام ہو اور
ايمان و اسلام — کا ذرا سا بھی شائبہ ہو۔

بہرکیف ابن سعد نیز امام بخاری کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر مدینہ منورہ میں لوگوں کا ہجوم بہت زیادہ ہونے
لگا۔ حتی کہ آپ کے مشاغل میں حرج واقع ہونے لگا۔ آخر اس کا تذکرہ حضرت
عثمان رضؓ سے کیا اور خواہش ظاہر کی کہ میں مدینہ سے چلا جانا چاہتا ہوں اس پر حضرت
عثمان رضؓ نے فرمایا۔

"کہ تم ہمارے پاس چلے آؤ (یعنی جب ہمارے پاس رہو گے تو لوگ
خواہ مخواہ تنگ نہیں کریں گے) شیردار اونٹنیاں صبح و شام آپ کے

پاس آیا کریں گی۔[1]

لیکن آپ کا اصرار بڑھتا رہا فرمایا کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں (یعنی اونٹوں کی ضرورت نہیں ہے) مجھے آپ اجازت ہی دے دیں اور وجہ بھی ظاہر تھی کہ آخر مسجد نبوی میں نماز کے لئے تو ضرور جاتے مدینہ اس زمانہ میں دارالخلافۃ اکبری تھا، لاکھوں آدمیوں کا اجتماع رہتا تھا۔ جس وقت ابوذر نکلتے تو خواہ مخواہ لوگ پیچھے پڑ جاتے، جیسا کہ دنیا کی اس وقت بھی یہی عادت ہے کہ اس قسم کے بزرگوں کے پیچھے عوام بے تحاشہ دوڑتے پھرتے ہیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مدینہ کی آبادی شام تک پھیل گئی ہے۔ اور اس حالت میں مجھے یہاں رہنے کا حکم نہیں[2]

آخر حضرت عثمانؓ نے مجبور ہو کر فرمایا کہ۔

ان شئت تنحیت فکنت قریبا | اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر (مدینہ) کے کسی ناحیہ میں چلے جاؤ تاکہ قریب رہو۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ۔

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۲

[2] ابن جریر طبری میں آخری وجہ مذکور ہے۔ انساب الاشراف البلاذری میں گو بعض نہایت مکروہ واقعات نقل کئے ہیں، حضرت عثمانؓ جیسے حیادار انسان کی زبان کی طرف ایسی فحش کلامی منسوب کی گئی ہے جنہیں آج بھی کوئی شریف آدمی اپنی زبان سے نکال نہیں سکتا۔ لیکن غنیمت ہے کہ اسی کتاب میں مدینہ کے جلیل تابعی حضرت سعید بن المسیب کا قول بھی اسی میں درج ہو گیا ہے یعنی سعید نے اس کا انکار کیا کہ حضرت ابوذر کا اخراج عمل میں آیا تھا، حضرت نے فرمایا انما خرج ابوذر الیہا راغبا فی سکناہا یعنی حضرت ابوذر خود ربذہ میں رہنے کے لئے خود اپنی خواہش سے گئے تھے، ظاہر ہے کہ سعید بن المسیب سے زیادہ قوی شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے۔ ۱۲

ائذن لی ان اخرج الی الربذۃ[1] | آپ اجازت دیجئے تاکہ میں ربذہ چلا جاؤں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ اچھا آپ وہاں جاسکتے ہیں۔ میں بیت المال سے کچھ اونٹنیوں کو دودھ کے لئے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔[1]

لیکن حضرت ابوذرؓ کی غنی طبیعت نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ قریش کے نوجوان جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان کو مخاطب کرکے آپ نے فرمایا۔

دونکم معاشر قریش دنیاکم فاعذموھا لاحاجۃ لنا فیھا۔	قریشیو اپنی دنیا کو تم لو اور اسے خوب زور سے چباؤ ہمیں اس کی کوئی ضرورت و حاجت نہیں۔

یہ فرماکر آپ حضرت عثمانؓ سے رخصت ہوئے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ زہد عیسوی کا جو کامل نمونہ تھا محمدی مسیحیت کا وہی مظہر اتم اپنی آخری زندگی گزارنے کے لئے، اسی صحرا کی طرف روانہ ہوگیا جہاں سے پھر کہیں منتقل نہیں ہوا۔

ربذہ ذات عرق سے جو سڑک مکہ معظمہ کو گئی تھی ٹھیک اسی کے کنارے ربذہ ایک مختصر سے گاؤں کی صورت میں آباد تھا اور مدینہ منورہ سے کل تین منزل دور تھا۔

اصمعی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ نجد کا تذکرہ کرتے ہیں اس کے عرار و بہار[2] کی روح پرور نسیم پر سر دھنتے ہیں حالانکہ نجد کا سب سے عمدہ قطعہ شرف ہے جسے میں نجد کا جگر سمجھتا ہوں اسی خطہ شرف میں ربذہ بھی شامل تھا۔ شرف میں جو خاص سرکاری رکھت تھی، ربذہ اس کے داہنے جانب پر واقع تھا۔[3] حضرت ابوذر کی زندگی جس طرز کی ہوگئی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس کے

---

[1] ابن سعد ۱۲

[2] عرار و بہار نجد کے دو خوشبودار پھولوں کے نام ہیں عرب کے شعراء اس کے بہت دلدادہ تھے ۱۲ معجم البلدان

مناسب ربذہ سے زیادہ موزوں مقام مدینہ منورہ کے نواح میں مشکل ہی میسر آسکتا تھا ع جائے بود کہ بر قامت او دوختہ بود۔

کائنات کے بادشاہ کا روضۂ پاک بھی سامنے تھا، اور جس قسم کے فتن اور مفاسد کا زمانہ آرہا تھا اس سے بھی آپ کو گوشہ علیحدگی ہوگئی جس کی وصیت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کی تھی، حضرت ابوذر ہی راوی ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا	جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے نکاس کردیگا
ویرزقہ من حیث لا یحتسب	اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیگا جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہوگا

بار بار تلاوت فرما رہے تھے حتیٰ کہ اخیر میں آپ پڑھتے پڑھتے تھک سے گئے، گویا آپ پر غنودگی سی طاری ہوگئی، عین اسی حال میں آپ نے اس طرح گفتگو شروع کی۔ ابوذر! اگر تم مدینہ سے نکالے گئے، تو کہاں جاؤ گے

حضرت ابوذر! میں تلاش رزق اور فراخی معاش کے لئے مکہ کے کبوتروں میں شامل ہوکر کوئی کبوتر بن جاؤں گا (یعنی مکہ چلا جاؤں گا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہاں سے بھی تم کو نکلنا پڑا تو پھر کہاں جاؤ گے

حضرت ابوذر! شام کی پاک ومبارک سرزمین کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہاں سے بھی نکلے۔

حضرت ابوذر! تو پھر تلوار اپنے کاندھے پر اٹھا لوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں ایسا نہ کرنا۔ فرمانبرداری اور اطاعت کرنا اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر حاکم کیوں نہ ہو[1]

(۱ مسند احمد ۵)

پس انھوں نے ایسا ہی کیا فساد و جدال کا زمانہ آنکھیں دکھا رہا تھا
عبداللہ بن سبا جو شعلہ مصر کے آتش دان سے بھڑکا رہا تھا اس کی گرمی مدینہ
منورہ میں بھی محسوس ہو رہی تھی ایسے وقت میں حضرت ابو ذر نے عزلت گزینی
پر اگر عمل کیا تو در حقیقت یہ حضور ہی کے ارشاد کی تعمیل تھی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اس فساد کی خبر دے چکے تھے۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے حضرت ابو ذر کو مخاطب کر کے ایک دن
فرمایا۔

اے ابوذر تو کیا کرے گا جب آپس ہی میں
ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں گے
حتی کہ اس قدر خون بہایا جائے گا کہ حجارۃ
الزیت (مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے)
کی زمین خون میں غرقاب ہو جائے گی، حضرت
ابوذر نے کہا کہ اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں
مجھے اس وقت کیا کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھر بیٹھ جانا۔ اور
دروازہ بھیڑ لینا۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اگر وہ
ہمیں نہ چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا تب جن لوگوں کے
تم ہو ان کی جماعت میں آکر مل جاؤ۔ حضرت ابوذرؓ
نے کہا تو کیا میں تلوار اٹھا لونگا، حضور نے فرمایا
اس وقت تم بھی فساد میں شریک ہو جاؤ گے
(یعنی ایسا نہ کرنا) اور اگر تم کو تلوار کی چمک سے

یا ابا ذر ارأیت ان قتل الناس
بعضهم بعضا حتی تغرق
حجارة الزیت من الدماء
کیف تصنع قال اللّٰه ورسوله
اعلم قال اقعد فی بیتك و
اغلق علیك بابك قال
فان لم اترك فأت من
انت منهم فکن فیهم
قال فآخذ سلاحی قال
اذاً تشارکهم فیما
هم فیه ولکن ان خشیت
ان یروعك شعاع السیف
فالق طرف ردائك علی
وجهك حتی یبوء باثمه
واثمك۔

خوف معلوم ہو تو اپنی چادر کے پلے سے منہ
ڈھانک لینا، تاکہ تم پر حملہ کرنے والا تمہارا اور
اپنا گناہ لے کر واپس ہو۔

کس قدر سیاہ اور ناپاک الزام ہے، کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ربذہ میں نظر بند کر دیا تھا، حالانکہ واقعہ جو کچھ تھا تم سن چکے۔ اور آیندہ بھی تمہیں معلوم ہوگا، خود حضرت ابوذر سے بعض لوگوں نے آ کر پوچھا ہے کہ تم ربذہ کس طرح آئے اور کیوں آئے" اس کے جواب میں آپ نے اجمالی طور پر واقعات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے۔

کہ میں شام میں تھا، وہاں مجھ میں اور معاویہ میں آیت والذین یکنزون الآیۃ میں اختلاف ہو گیا، معاویہ کہتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور میں کہتا تھا کہ ہماری اور ان کی دونوں کی شان میں ہے اس پر بات بہت بڑھ گئی۔ انھوں نے حضرت عثمان کے پاس میری شکایت کر دی (حالانکہ حضرت معاویہ کو اخراج کا اختیار خود بھی حاصل تھا مگر فیصلہ محض تادیباً تھا) عثمان نے مجھ کو لکھا کہ مدینے چلے آؤ میں چلا

ط دیباوذی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان سے کسی نے کہا کہ ابوذر کو ربذہ آپ نے جلا وطن کر دیا ہے فرمانے لگے سبحان اللہ تعالیٰ جو باتیں لوگ پھیلا رہے ہیں ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے، ہم ابوذر کی بزرگی و فضل کو خوب جانتے ہیں۔ مسلمان ہونے میں ان کو سبقت کا جو شرف حاصل ہے اس سے بھی خوب واقف ہوں۔ ہم لوگ (یعنی رسول اللہ کے صحابہ) ابوذر سے زیادہ کسی کو شوکت و عزت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے اصل الفاظ یہ ہیں ما کنا نعد فی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکمل شوکۃ منہ۔ دیباوذی صلاث ع ۶

آگیا یہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم مجھ پر ہونے لگا کہ ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ گویا انھوں نے اس سے پہلے مجھ کو دیکھا ہی نہیں تھا۔
عثمان سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر جی
چاہے تو آپ ربذہ چلے جائیں تاکہ قریب بھی رہیں (یعنی لوگوں
کی بھیڑ سے نجات بھی مل جائے اور ہمارے قریب بھی رہیں گے)
بس فقط اتنی بات مجھے بیان کرنی ہے۔"[۱]

آپ کا یہ بیان اگرچہ بہت مجمل ہے جس کی تفصیل بھی میں آپ کے ہی
دوسرے بیان سے کرچکا ہوں میری غرض صرف اس قدر ہے کہ آپ خود حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب الزام نہیں لگاتے تھے تو دوسروں کو کیا حق
ہے۔ کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن امانت پر اس دھبہ
کا داغ قائم کریں۔

کس قدر عجیب ہے کہ اگر کسی سیاسی مصلحت سے حضرت عثمان رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے آپ کو مدینہ سے الگ کیا ہوتا۔ تو پھر ربذہ میں کیوں رہنے کا
حکم دیتے مدینہ اور ربذہ میں فاصلہ ہی کتنا تھا۔ علاوہ اس کے ربذہ ایک ایسا
مقام تھا جہاں سے ہر سال عراق کے مسافر لاکھوں کی تعداد میں گذرا کیا
کرتے تھے۔ اور حاجیوں کی گویا وہ فرودگاہ بھی تھی۔ ایسے مخدوش آدمی کو ایسی
گذرگاہ پر قید کرنا کس قدر قرین عقل و دانش ہو سکتا ہے۔ خصوصاً۔ جب ارباب
تاریخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ربذہ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد بھی کان ابوذر یتعاهد
المدینہ مخافۃ ان یعود اعرابیا ملک ابن اثیر ج ۳ (یعنی مدینہ منورہ حضرت ابوذر
اس لئے آتے جاتے رہتے تھے کہ کہیں گاؤں میں رہنے سے ان کے اندر دیہاتیت

---

[۱] طبقات ابن سعد ۱۲

اور برداشت نہ پیدا ہو جائے؟ اور سچ تو یہ ہے کہ شام کی چھاؤنی میں جب وہ تھے اس وقت بھی جب ان سے صبر نہ ہو سکتا تھا بھاگ بھاگ کر اپنے محبوب رسول پاک کے روضہ کی زیارت کو آتے رہتے تھے، خلیفۂ وقت سے رخصت حاصل کر کے قبۂ خضرا کی مجاورت کر کے اپنی مضطرب روح کے سکون کا سامان پیدا فرماتے رہتے تھے تو مدینہ سے اتنی نزدیک جگہ ربذہ میں رہ کر ان سے صبر کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ اعرابی اور دیہاتی ہو جانے کا اندیشہ یہ بھی ایک مجذوبانہ لطیفہ تھا۔ راہ عشق کی رسوائیوں کا وہ بھی ایک نام نہاد پردہ تھا۔ حضرت ابوذر سے بعض کتابوں میں یہ فقرہ جو منقول ہے کہ ہجرت کے بعد عثمان نے مجھے پھر اعرابی (دیہاتی) بنا دیا یہ بھی ایک جذباتی لطیفہ ہی ہے دیکھو البلاذری ص[۵۴]

حقیقت یہ ہے کہ دو جاہل دو مضامین الحمدللہ کہ اس قدر غبی اور بد حافظہ ہوتے ہیں کہ باتیں ضرور بناتے ہیں لیکن اس درجہ خام اور جھوٹ ہوتا ہے کہ چند جرحوں میں ان کی کل دروغ بافیوں کے تار و پود بکھر جاتے ہیں[۱]

فلعنة الله على الكاذبين۔

بہرکیف یہ معاملہ اس درجہ بدیہی اور صاف ہے کہ خود جو واقعات

---

[۱] یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابوذر اور حضرت عثمان کی باہمی ہم مزاجی کے قصوں کو یہ دیری تکمیلی تاریخوں میں بہ نسبت ان کتابوں کے جو عہد صحابہ سے زیادہ قریب ہیں، خوب رنگین کیا گیا ہے الیعقوبی نے تو حضرت ابوذر کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن سے بجائے صحابی ہونے کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان فرقوں میں سے ایک خاص فرقے کے عقائد رکھتے تھے جو بعد کو اسلام میں پیدا ہوئے ان واقعات کے پڑھنے میں ہمیشہ یہ دیکھ لینا چاہئے کہ کتاب کا مصنف کسی خاص فرقہ کا تو آدمی نہیں ہے خصوصاً ایسے فرقوں کا جو اپنے مدعا کے مطابق بات بنا لینے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اسی لئے علامہ ابن جریر طبری اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ یہ نہایت مکروہ باتیں ہیں جن کا ذکر بھی میں پسند نہیں کرتا ص[۵]

آئندہ میں درج کروں گا انشاء اللہ اسی میں ان تمام بہتانوں کی پوری تردید ملے گی۔

بالفعل میں ربذہ کی آبادی وغیرہ اور آپ نے جس طرح اپنی زندگی وہاں گزاری اس کا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

ربذہ کی آبادی

میں بتا چکا ہوں کہ ربذہ شرق نجد کا ایک پرفضا قطعہ تھا جہاں سرکاری رکھت بھی تھی اور یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ ذات عرق سے جو سڑک مکہ مکرمہ کو جاتی تھی اس کے کنارے وہ واقع تھا۔ مسافروں کی ایک منزل وہاں بھی ہوتی تھی ان ہی وجوہ کی بنا پر ایک معمولی سی چوکی خلافت کی جانب سے وہاں قائم تھی۔ جو رکھت کی حفاظت اور راہگیروں کے امن وامان کی ناظم تھی۔ چوکی پر ایک افسر مقرر تھا اور کچھ اس کے ساتھ عملہ بھی تھا۔ ان ہی سب سے مل ملا کر اس نے ایک گاؤں کی صورت اختیار کرلی تھی۔

حافظ ابن حجر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بیت المال کے اونٹ وغیرہ یہاں رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی حضرت ابوذرؓ ریوڑوں کی حفاظت کے لئے یہاں کبھی کبھی آکر سکونت پذیر ہوتے تھے[۱]۔ ان کا یہ خیال بھی ہے کہ چونکہ اس مقام میں حضرت ابوذر پہلے بھی رہ چکے تھے اور یہاں سے مانوس تھے اس لئے بھی آپ نے اور مقاموں سے اسی کو ترجیح دے کر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ میں وہیں جاؤں گا۔ بہرکیف جس زمانہ میں آپ یہاں تشریف لائے تو وہاں کے افسر نظم ونسق ایک حبشی غلام مجاشع نامی تھے[۲]۔ مردوں کی

لہ فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۰ - ملاحظہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ربذہ ہی بھیجا تھا۔ سے تاریخ اہل اہواء عیرہ ۱۱

آبادی تقریباً بارہ تھی۔ کچھ عورتیں بھی تھیں جن کی صحیح تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی
ان لوگوں کے لئے خلافت کی طرف سے ایک مسجد بھی بنوادی گئی تھی بعض نے
لکھا ہے کہ مسجد حضرت ابوذر ہی نے وہاں بنوائی تھی[1]

ربذہ کا قیام سامان زندگی

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سالانہ وظیفہ دربار
خلافت سے چار ہزار درہم تقریباً نو سو روپیہ مقرر تھا[2]
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے ساتھ ہی
ارادہ کیا تھا کہ چند شیردار اونٹنیوں کو آپ کے لئے خاص کر دیا جائے[3] لیکن
جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو آپ نے لینے سے خود ہی انکار کر دیا۔ پس مستقل آمدنی یا
سرمایہ جو کچھ بھی ان کے پاس بھی تھا اس سے آپ نے مختصر سامان خریدا تھا
جس کی تفصیل یہ ہے۔ دو گدھیاں، چند گدھے، چند اونٹ سواری اور
پانی لانے کے لئے، کچھ بکریاں جن کی تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی دو غلام ایک
چھوکری۔ طبری میں ہے کہ سرکاری عامل جو ربذہ میں تھے حکومت کی طرف سے
روزانہ ان کے لئے چند اونٹ ذبح ہوتے تھے اور حضرت ابوذر کو بھی اس سے
ایک حصہ ملتا تھا (صفحہ ج ۵)

وہاں بھی مکان حسب دستور آپ نے اینٹ و مٹی کا نہیں بنایا بلکہ ایک کا

---

[1] طبری کا قول ابن خلدون سے بھی نقل کیا ہے طبری میں ہے "اختط بہا مسجدا" یعنی ربذہ میں حضرت ابوذر نے ایک مسجد کی بنا ڈالی اور اسے تعمیر کیا۔ [2] عام کتابوں میں حضرت ابوذر کی صرف یہی تنخواہ کی مقدار بھی بتائی گئی ہے لیکن امام ذہبی نے اپنی کتاب دول الاسلام میں لکھا ہے کہ سالانہ عطا حضرت ابوذر کی چار ہزار دینار تھے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ مقدار بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے دیکھو مختصر دول الاسلام ذہبی صفحہ مطبوعہ دائرۃ المعارف میرے خیال میں الذہبی ہی کا بیان صحیح ہے ۱۲ [3] لیکن طبری وغیرہ میں ہے کہ اونٹ کا ایک حصہ مقرر رکھا (آپ کے لئے حضرت عثمان نے مختص کر دیا تھا) اور دو غلام بھی ساتھ کر دئے تھے ۱۲

ایک جھونپڑا ڈال لیا تھا۔ قریب ہی میں آپ نے ایک تالاب بھی بنوا لیا تھا جس میں برسات کا پانی جمع ہو کر ذخیرہ ہو جاتا تھا آنے جانے والے مسافر اور ان کی سواری کے جانوروں کا کام بھی اس تالاب کے پانی سے چلتا تھا اور ربذہ میں جس زمین پر آپ کاشت کرتے تھے اس کی سیرابی اور جو نخلستان تھا اس کی بھی سیرابی اسی سے ہوتی تھی، بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابوذر کے ساتھ دوسرے مشہور کاشتکار صحابی رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں آ بسے تھے الطبری نے اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں نے کوئی بات سنی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی تھی جس کی تشریح پورے طور پر تو ان سے نہیں کی گئی تھی لیکن دونوں کی سمجھ میں بھی آیا اور ربذہ آنے پر دونوں متفق ہو گئے طبری

میرا خیال ہے کہ کاشتکاری اور باغبانی کے اس ذوق میں جسے ربذہ میں حضرت ابوذر کے اندر ہم پاتے ہیں اس میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خاندانی ذوق کو بھی غالباً دخل تھا کیونکہ ان ہی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے خاندان سے بڑا کاشتکار عہد نبوت میں اور کوئی نہ تھا

اہل و عیال

بہر حال ربذہ میں آپ کے ساتھ ایک تو آپ کی حرم محترمہ اور دوسری آپ کی صاحبزادی صاحبہ تھیں کیونکہ بچے تو بہت پیدا ہوئے لیکن عموماً کمسنی میں وفات پا گئے حلیہ میں ابو نعیم نے بچوں کے مرنے کے متعلق آپ کا ایک عجیب فقرہ نقل کیا ہے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ابوذر آپ کے بچے زندہ کیوں نہیں رہتے آپ نے فرمایا۔

الحمد للہ الذی یاخذھم فی	شکر ہے اللہ کا جس نے ان بچوں کو فانی گھر میں لے لیا
دار الفناء و یدخرھم فی دار البقاء	اور باقی رہنے والے گھر کے لئے ان کو ذخیرہ بنا دیا۔

"شاکر" ہر حال میں شکر کا مقام حاصل کر لیتا ہے، اور صبر تو اپنے تمام ثمرات کے ساتھ وہ اپنی جگہ پر قائم ہی ہے۔ اولاد کے لئے لوگوں نے آپ کو دوسری بیوی کرنے کا بھی مشورہ دیا لیکن راضی نہ ہوئے۔ آخر عمر میں آپ کا خاندان ان ہی دو عورتوں (بیوی اور بیٹی) اور خود آپ کی ذات سے عبارت تھا۔

الغرض ربذہ کی وادی میں ایک سرمست خمخانۂ حجاز کا مخمورِ الست؛ اپنی زندگی انھیں سازوں پر گزار رہا تھا۔ وہ خوش تھا کہ دنیا کے تمام جھگڑوں سے اسے نجات مل گئی تھی۔ شہروں کے شور و غوغا سے الگ ہو کر روحانی مسرتوں کی لذت اندوزیوں میں باطمینان معروف تھا۔ سطحی نگاہوں میں گو موجودہ حالت مسکنت و افلاس کی تھی لیکن ژرف نظروں سے پوچھو! ان سے دریافت کرو جو کسی کی نرگسِ مست کی غلامی قبول کر چکے ہوں، اور کسی کے بادۂ لعل سے دل و جاں کو خراب کر چکے ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

غلام نرگس مست تو پادشاہانند   خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

بہرحال ربذہ میں آپ کے پاس جو کچھ تھا اوروں کے نزدیک وہ کافی ہو یا نہ ہو لیکن ان کے غنی دل نے ہمیشہ اس کو کافی خیال کیا۔

شام کے گورنر حبیب بن مسلمہ نے ایک دفعہ آپ کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں اور لکھ بھیجا۔

استعن بھا علی حاجتک — | — اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد لیجئے۔

لیکن حضرت ابوذر نے قاصد کو جواب میں کیا کہا۔

"ان اشرفیوں کو تم اسی کے (یعنی حبیب) کے حوالے کر دینا اور کہنا کہ کیا ان کو مجھ سے زیادہ غریب آدمی نہیں ملتا تھا، خدا کے فضل سے میں ایک سائبان رکھتا ہوں جس کے سایہ میں آرام کرتا ہوں"

بکریوں کے ایک گلے کا بھی مالک ہوں جو دن بھر چر کر شام کو میرے
گھر آجاتی ہیں (اور دودھ کی افراط کی وجہ سے ریل پیل ہو جاتی ہے)
ایک کنیز بھی ہے جو میرے کام کاج میں میرا ہاتھ بٹاتی ہے، اس کے
بعد دوسرا زائد مال مجھے درکار نہیں۔"[1]

اپنی اس باطنی امارت، اندرونی دولت پر آپ کو اتنا ناز تھا کہ کبھی کبھی
چھلک پڑتے اور فرماتے۔

"بنی امیہ کے امراء مجھے فقر اور افلاس سے ڈراتے ہیں حالانکہ فقر تونگری
سے مجھے زیادہ محبوب ہے"[2]

نہ صرف دعویٰ تھا بلکہ عمل اس کی تصدیق کرتا تھا۔ آپ کی روش اس کی
شہادت دیتی تھی۔

ربذہ کی مہمان نوازیاں

مثلاً ان مختصر سامانوں کے ساتھ بھی آپ کا
حال یہ تھا کہ عموماً آپ مسافروں کو اپنے
پاس ٹھیرایا کرتے، اور جس طرح بن پڑتا، اپنی وسعت کے موافق خاطر تواضع میں
کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے ایک جلیل القدر تابعی کا بیان ہے کہ

---

[1] حبیب بن مسلمہ صحابی تھے یا تابعی؟ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
وفات کے وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی، بہرحال حضرت معاویہ کی ماتحتی امراء کے اشارے سے ملتے۔ بعد کو
مواقع پر انھوں نے بڑی بڑی کامیابیاں جیسی سرگرمیاں رومیوں کے ساتھ اسی جہاد کی کثرت کی
وجہ سے بیاسے حضرت ابو بکر اور کہ "حبیب الروم" کہا کرتے تھے یعنی (رومیوں والا حبیب)۔ یہی
لقب حبیب کا۔ عوام میں مشہور ہو گیا تھا۔ آرمینیہ کا حاکم بنا وفات پائی۔ اور اسی علاقے میں مدفون ہیں لکھا ہے
کہ ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کی دعا رد نہیں ہوتی تھی (تہذیب التہذیب ج ۲)

[2] حلیۃ الاولیاء لابی نعیم و شذرات الذہب میں بھی اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے ۱۲ — حلیہ ۱۲

ربذہ میں حضرت ابوذر کے یہاں بہت سے مہمان اترے ہوئے تھے رات کا وقت تھا۔ آپ خود اٹھے، اور جس قدر بکریاں تھیں، ایک ایک کرکے آپ نے سب کا دودھ خوب نچوڑ نچوڑ کر نکالا، حتیٰ کہ کوئی تھن باقی نہ رہا۔ اس کے بعد گھر سے جا کر کچھ کھجوریں لے آئے۔ جو کچھ دودھ تھا اس کو اور کھجوروں کو لے کر مہمانوں کے سامنے حاضر ہو گئے، اور نہایت دردناک لہجے میں آپ نے ان کو سامنے بڑھا کر فرمایا، کاش! اس سے بہتر چیز اگر میرے پاس ہوتی تو میں اسے آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا، مہمانوں کی تعداد چونکہ زیادہ تھی، اس لئے نہ تو دودھ ہی کا ایک قطرہ بچا۔ اور نہ ایک کھجور ہی باقی رہی۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رات میں کوئی چیز اپنی زبان پر نہیں رکھی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صرف یہی نہیں، عموماً آپ کی یہی عادت تھی۔ طبقات میں ہے کہ عیسیٰ بن عمیلہ الفزاری کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے جس نے ابوذر کو دیکھا تھا بیان کیا کہ۔

یحلب غنیمة له فیبدأ بجیرانه واضیافه قبل نفسه	اپنی بکریوں کا دودھ نکالتے اور اپنے نفس سے پہلے اپنے پڑوسیوں اور مہمانوں پر تقسیم کرتے تھے۔

اور وہ واقعہ تو گزر ہی چکا کہ مہمان کو سیر کرنے کی غرض سے آپ نماز میں مشغول ہو گئے جب اس کا پیٹ بھر گیا۔ تب نماز سے فارغ ہو کر اس کے ساتھ شریک ہوئے یہ واقعہ بھی ربذہ ہی کا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملنے کی امید

الحاصل ربذہ میں آپ کی زندگی نہایت بشاشت اور مسرت سے گزر رہی تھی کہ جو آپ کی تمنا آرزو تھی، وہ یہاں بخوبی پوری ہو رہی تھی وہ فرصت میسر آئی جس کے

---

[1] طبقات ص ۱۶۲ ج ۴ مطبوعہ لیڈن ۱۲

جب یکسوئی و یکدلی کے ساتھ ع

بیٹھے رہیں۔ تصور جاناں کئے ہوئے

سے ان کو کون روک سکتا تھا، صاحب "حلیہ"

محمد بن واسع سے ناقل ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ خاص کر بصرہ سے بقصد ربذہ اس لئے روانہ ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان مشاغل کو آپ کی حرم محترمہ صاحبہ سے دریافت کروں، جن میں ربذہ کی زندگی گزری۔ بیوی صاحبہ نے ان کی مصروفیت کا صرف اس قدر جواب دیا۔

كان النهار اجمع يتفكر۔ | دن بھر تصور، تفکر میں گزرتا۔

لیکن توبہ کے ابتدائی ایام میں جو خدا کی مرضی و عدم مرضی کے علم حاصل کرنے سے قبل خود اپنی دل سے رات رات بھر اپنی خود ساختہ نماز پڑھا کرتا ہو، اور اتنے انہماک سے پڑھتا ہو کہ آخر میں بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہو، سوال ہو کہ کیا حال ہوگا اس کا جب وہ سب کچھ جاننے کے بعد وہاں جانے کے لئے تڑپ رہا تھا، جہاں جانے سے سب ڈرتے ہیں امراء بنی امیہ[1] کے متعلق بھی یہی فرماتے۔

---

[1] امراء بنی امیہ سے مراد دراصل اس موقعہ پر وہی طبقہ ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرافت سے ناجائز نفع اٹھا کر خود اپنے آپ کو جو کچھ ہونا تھا ہو گئے ہی مصیبت یہ ہوئی کہ ان کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ایک خاص طبقہ میں خواہ مخواہ کی بدگمانیاں پیدا ہوگئیں انساب الاشراف میں البلاذری نے لکھا ہے کہ مروان اور حارث بن الحکم بن سعاس وغیرہ نے عہد عثمانی میں جو تجربے رقوم حاصل کئے اگر اس سلطنت گیری کے لحاظ سے وہ چنداں اہمیت نہیں رکھتے تھے لیکن چالیس چالیس ہزار روپے مل گئے مسلمانوں کے حقوق کی تقسیم کے ان پر عائد ہوتے تھے ان سے لاپرواہیاں برتنے پر حضرت ابوذر کے مزاج کے حوالے خلیفہ کی دھمکیاں وغیرہ لوگوں کو سنانے لگے اسی پر مروان حضرت ابوذر کا مخالف ہو گیا تھا ظاہر ہے کہ امراء سے یہی لوگ مراد ہیں ۱۲ دیکھو البلاذری صفحہ ۵۲

"مجھے یہ قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں، حالانکہ اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔" گویا ع

مجھے ڈراتے ہو موت سے کیا میں زندگی ہی سے ڈر چکا ہوں

اور سچ تو یہ ہے کہ جو زندگی سے ڈر گیا، پھر اُسے کس چیز سے کوئی کیا ڈرا سکتا ہے؟

پچھلی زندگی، آخرت کا خیال ربذہ کے اس عالم خلوت میں آپ پر اس درجہ مسلط تھا کہ آخر میں اسی نے جذب کا رنگ اختیار کر لیا تھا، شاید یہ اسی جذب کا اثر کا نتیجہ تھا جو ابن سعد نے آپ سے نقل کیا ہے کہ کبھی آپ یہ بھی فرماتے کہ میری پتلی ہونے والی ہڈیاں، اور سپید ہونے والے بال ناامید نہیں کرتے، کہ میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات نہ کر سکوں گا۔[1] مطلب یہ تھا کہ گو میرے مرنے کا وقت قریب آگیا ہے لیکن میرے خیال میں قیامت اس سے بھی زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جن کے نزول کی خبر قرب قیامت میں دی گئی ہے، ان سے میری ملاقات ہو جائے۔

الغرض یہاں جو کچھ بھی خیال رہ گیا تھا، وہ آیندہ کا تھا نہ دنیا والوں سے زیادہ ملاقات ہوتی تھی، نہ ان کے ساتھ کوئی معاملہ پڑتا تھا، البتہ بعض واقعات ربذہ کے بعد بھی پیش آئے جن سے ممکن تھا کہ کوئی فساد پیدا ہو جاتا، لیکن آپ نے جس طرح اُسے ٹالا، وہ اپنے اندر عجیب و غریب نتائج رکھتے ہیں، خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں کی ناکیں اس سے داغدار اور مجروح اس وقت بھی ہوئی تھیں اور اب بھی مجروح ہیں۔

پہلا واقعہ اور اطاعت عثمانی کی پہلی نظیر

میں لکھ چکا ہوں کہ ربذہ کے حال آپ کے زمانہ میں ایک

---

[1] طبقات صفحہ ۱۶۵ ج ۴ - ۱۲

حبشی غلام (مجاشع) نامی تھے، جس طرح دنیاوی معاملات ان کے سپرد تھے جمعہ جماعات[1] کا تعلق بھی ان ہی سے تھا۔ یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں آکر سکونت فرما ہوئے، تو آپ بھی نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے۔ جب جماعت کھڑی ہوگئی تو مجاشع بوجہ اپنے غلام ہونے، اور شرف صحابیت سے محروم ہونے کے، آگے بڑھنے سے رُکے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ آگے بڑھو، جس طرح پہلے نماز پڑھاتے تھے اب بھی پڑھاؤ، مقصد اقدس یہ تھا کہ اگرچہ تم غلام حبشی ہو لیکن جب اولوالامر خلیفہ برحق نے تم کو امیر بنادیا ہے، تو میں بھی تمہیں امیر سمجھتا ہوں، جیسا کہ خود جمعہ کو آپ نے فرمایا۔

"کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر حبشی غلام بھی مجھ پر امیر بنایا جائے تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کی باتیں سنوں اور اس کی فرماں برداری کروں[2]"

گویا اس خواب کی تعبیر ربذہ میں آکر پوری ہوئی۔ اور یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ آپ کے ربذہ آنے سے پہلے یہ غلام یہاں کے امیر تھے۔ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے بعد اسے وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔

---

[1] جمعہ کی نماز ربذہ میں ہوتی تھی خود حضرت ابوذر بھی پڑھتے تھے کما ذکرہ فی الکبیر۔ رہی یہ بات کہ وہ گاؤں تھا وہاں کیسے جمعہ یہ نماز ہوتی تھی اس کا جواب فقہائے امت کا کام ہے اتنا تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ موقع حدیث کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ اصول حنفیہ پر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ ربذہ مصر تھا اس لئے کہ کل موضع حل فیہ الامیر فہو مصر ہے! امام محمد کا فتویٰ ہے، اور ظاہر ہے کہ مجاشع یہاں کے امیر تھے۔

[2] طبقات ابن سعد ۱۲

اطاعت کا دوسرا واقعہ

عبد اللہ بن سبا کو جب اس کی خبر ملی کہ حضرت معاویہؓ کی شکایت کی بنا پر خلیفہ اسلام نے حضرت ابوذرؓ کو شام سے مدینہ بلوا لیا اور کعب احبار سے مناظرہ کرایا۔ حتیٰ کہ انہی وجوہ سے اب وہ گاؤں میں جا کر عزلت گزیں ہو گئے ہیں۔ اس کے کارندوں نے اور بھی نمک مرچ ملا کر اس واقعہ کو غلط آب و رنگ کے ساتھ اس کے سامنے ظاہر کیا تو اس کو فوراً خیال گزرا کہ ایسی صورت میں حضرت ابوذرؓ کو حضرت عثمانؓ سے بدظن کرنا آسان ہے۔ مسئلہ کنز پر تنازع موجود ہے۔ اسی کو کسی عمدہ صورت میں پیش کر کے ان کو مخالفت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ ابوذرؓ کا تقدس و ورع عام طور پر مسلمانوں میں مسلّم ہے، اور خود ان کے ساتھ ایک بڑا قبیلہ غفار کا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ان کو شریک کار بنا لینے کے بعد ہماری سازش مکمل ہو جائے۔ اور جو آگ میں نے تیار کی ہے اس کے شعلے ابوذرؓ ہی کے ہاتھ سے اسلامی آبادیوں تک پہنچا دیے جائیں۔

الغرض اسی قسم کے بیہودہ خیالوں کو سامنے رکھ کر اس نے ایک وفد تیار کیا بقول[1] ابن خلدون سرخیل وفد خود ہی ہوا۔ کوفہ میں اس مفسد وفد کا نظام مرتب کیا گیا اور یہیں سے تیار ہو کر ان بد باطنوں کی جماعت ربذہ روانہ ہوئی۔ بطور مہمانوں کے یہ لوگ آپ کے دولت خانہ پر آ کر ٹھیرے۔ آخر موقع پا کر ایک شخص نے اس طرح تقریر شروع کی۔

"اے ابوذرؓ! اس شخص (عثمانؓ) نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا کیا (یعنی آپ کے ساتھ اتنی بدسلوکیاں کیں کہ ہم اس کی تفصیل بھی نہیں کر سکتے) پس کیا آپ تیار ہیں کہ اس کے خلاف میں آپ بغاوت کا پھریرا بلند کریں"

---

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۳۹ ۱۲

ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جتنے آدمیوں کی ضرورت آپ کو ہوگی، اس کا
پورا انتظام کیا جائے گا، آپ صرف جھنڈا بلند کر دیجئے۔"[1]

طبقات میں ان کی تقریر کا صرف اسی قدر حصہ مذکور ہے، لیکن یہ مفسدین
جس درجہ شاطر و عیار تھے، اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جو کچھ نقل کیا گیا ہے
اس سے کہیں زیادہ باتیں انہوں نے کہی ہونگی۔

بہر حال ان کے کان منتظر تھے کہ امید کی صبح لیجائے ابوذرؓ کی جنبش سے
عنقریب طلوع ہونے والی ہے مگر یہ ان کی بدعقلی تھی، انہوں نے ابوذرؓ کو بھی
العیاذ باللہ ان حواس باختوں میں شمار کیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
شہادتوں پر عبداللہ بن سبا کی افتراپردازیوں کو ترجیح دے کر دامادِ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے خون سے رنگین قبا ہوئے، یا جو آج ان ہی کی متعلقہ روایتوں
کے گورکھ دھندوں میں پھنس کر امت اسلامیہ کے سب سے بڑے حسیب پرور
انسان پر شرمناک حملے کر رہے ہیں ما لهم به علم ولا لآبائهم كبرت
كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا بہر حال کچھ ہوں
بھی سننا چاہئے کہ اس نامراد جماعت کو حضرت ابوذرؓ کی جانب سے کیا جواب ملا
آپ نے ان کی تقریر سننے کے بعد فرمانا شروع کیا۔

"مجھ پر یہ بات ہرگز نہ پیش کرو، دیکھو اپنے بادشاہ کو ذلیل و رسوا
نہ کرو، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جس نے اپنے بادشاہ کو ذلیل و خوار کیا
اس کے لئے توبہ کا دروازہ بھی بند کر دیا جاتا ہے۔

خدا کی قسم عثمانؓ مجھے اونچی سے اونچی لکڑی یا بلند سے بلند پہاڑ پر بھی
چڑھا کر اگر پھانسی دے دیں گے تو میں اسے مانوں گا اور حکم کے آگے

---

[1] تمام تفصیل طبقات سے ماخوذ ہے ۱۲

سر تسلیم خم کردوں گا، صبر کروں گا اور خدا سے اس صبر پر ثواب کی
امید رکھوں گا میں سچ کہتا ہوں کہ اگر عثمان ایسا کریں گے تو میں اپنے
لئے اسی کو بہتر سمجھوں گا، اسی طرح اگر عثمان آسمان کے اس کنارے سے
اس کنارے تک مجھے دوڑنے کا حکم دیں گے، یا جہاں سے آفتاب
اوگتا اور جہاں جا کر ڈوبتا ہے اس کے درمیان میں مجھے چلنے کا امر کریں گے
تو میں اسے مانوں گا، سنوں گا، بجالاؤں گا، اور صبر کروں گا، اور
اس صبر پر خدا سے ثواب کی امید رکھوں گا، اور اپنے حق میں اسی کو بہتر
خیال کروں گا۔ اسی طرح اگر وہ مجھے گھر میں رہنے دیں گے (تو ٹھیک
جس طرح گزشتہ زمانہ میں میرا حال ہوگا) اسی طرح اس حکم کو بھی
مانوں گا، سنوں گا، اس وقت بھی ان کا مطیع ہوں فرمان بردار رہوں گا
اور اسی کو اپنے لئے بہتر سمجھوں گا۔ صبر کروں گا اور خدا سے اجر کی امید
رکھوں گا۔[۱]

یہ تقریر جس بلیغ و موثر پیرائے میں ابو ذرؓ کے اندرونی جذبات کی ترجمانی
کر رہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ سرکشوں کے ہوش اڑ گئے ہوں تھے، امید معاونت
تو کجا خود انھیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔

اللہ اکبر جو شخص اونچی سی اونچی لکڑی کی پھانسی کو، اور گھر میں رہنے کو
برابر خیال کرتا ہو، دونوں فرمانوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہو، اس کی وفا شعاریوں کی
کوئی حد ہو سکتی ہے؟

اس تقریر کے پڑھ لینے کے بعد کون دیوانہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابو ذر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ خلیفۂ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے صاف

---

[۱] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۶۵ ج ۴ ۔ ۱۲ ۔

نہ کھٹکا؟

ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت ابو ذرؓ کی صفائی میں اب اس سے زیادہ اور کیا چیز پیش کریں۔ کیا لفظوں میں اس سے زیادہ اور بھی کوئی بالاتر قوت انسانی ہے جو کسی کی برات کو اس سے زیادہ صاف نکھرے ہوئے رنگ میں پیش کر سکتی ہو واللہ علی کل شئی قدیر۔ جن کی نگاہیں تنگ اور ظرف چھوٹے ہیں ان کو ان زور آور لفظوں کی معاونت سے چاہئے کہ اسے وسیع کریں۔ دلچسپ باغیوں نے ربذہ کی درویش کی جس وقت یہ حالت دیکھی ہکا بکا ہو کر رہ گئے اور اسی وقت انھوں نے راہ گریز اختیار کی۔

تیسرا واقعہ

اس واقعہ کو عوف شیبانی سے امام احمد نقل فرماتے ہیں، عوف کا بیان ہے کہ۔

ایک شخص تحفے تحائف لے کر حضرت ابوذر کے پاس ربذہ آیا جب وہاں پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ آپ بقصد حج مکہ مکرمہ تشریف لے گئے (سند سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربذہ آنے کے بعد کا ہے لیکن طبری میں ہے کہ یہ واقعہ سلکہ کا ہے جس وقت حضرت ابوذر ربذہ نہیں آئے تھے) اس شخص نے بھی کعبہ کی طرف اپنے اونٹ کی مہار پھیری، ان ساز و سامان کے ساتھ جو ان کے لئے لایا تھا مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ آخر منیٰ کے میدان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی زیارت اسے نصیب ہوئی۔ اور اس وقت سے وہ بھی آپ کا شریک صحبت ہوگیا۔

وہی کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ منیٰ ہی میں تھا، کہ یکایک غل ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں پڑھیں یعنی بجائے قصر کے نمازیں پوری پڑھیں ؎ (حاشیہ تیند صفحہ پر)

چوں کہ یہ بالکل جدید واقعہ تھا، اس لئے صحابہ میں بڑی بےچینی پھیل رہی تھی
عبداللہ بن مسعود۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک طرف آپس میں
مشورے کر رہے تھے۔ بار بار عبداللہ بن مسعود کی زبان پر یہ فقرہ آتا تھا۔
فلیت حظی من اربع رکعات رکعتان متقبلتان (بخاری) کاش چار
رکعتوں کے ثواب سے مجھے وہ دو رکعتیں جو خدا کے نزدیک مقبول ہوں مل جاتیں
لیکن خلیفہ وقت کی اطاعت کو اُن کی ذوقی روحانی بصیرتیں اس قسم کی
مسائل پر ترجیح دے چکی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے عبدالرحمٰن کو جو آخری جواب دیا تھا وہ یہ تھا۔

الخلاف شر، قد بلغنی انہ صلی اربعاً فصلیت باصحابی اربعاً[1]

خلاف بری بات ہے مجھے خبر ملی کہ حضرت عثمان نے چار رکعتیں پڑھیں اس لئے میں نے بھی چار پڑھیں

ہمارے مجذوب بےخبر مست درویش کو بھی جب یہ خبر ملی تو ابتداء میں آپ

لہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب چار رکعت پڑھی تو عبدالرحمٰن بن عوف نے آکر
پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں نے بعض لوگوں سے
سنا کہ یمن کے کچھ لوگ اور بعض گنوار بدو نے اپنے ملکوں میں جاکر مشہور کر دیا ہے کہ نماز مقیم کے لئے بھی
دو دو رکعتیں ہی ہیں یعنی دو ظہر کی اور دو عصر کی کیوں کہ امیرالمومنین یوں ہی پڑھتے ہیں۔ ایک
حرف غلط فہمی ہے اس لئے اقامت کی نیت کرکے چار پڑھی اور دوسرے اس اقامت کی وجہ یہ ہے کہ میں نے
مکہ میں نکاح کیا ہے۔ اور طائف سے قریب ہے جہاں میری جائداد بھی ہے اس کی نگرانی کے لئے
بھی یہاں اقامت کرتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اس پر پھر معارضہ کیا جس کا جواب حضرت
عثمان نے دیا کہ "یہ میری رائے ہے" حاصل یہ ہے کہ اقامت کی نیت سے جب آدمی مقیم ہو جاتا ہے
تو حضرت عثمان پر اعتراض ہی کیا باقی رہ جاتا ہے ۱۲

---

[1] طبری صفحہ ۳۴ - ۱۲

غصہ طاری ہو گیا اور سخت غیظ میں آ کر چلا کر فرمانے لگے۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی تو آپ نے ہمیشہ دو رکعتیں پڑھیں (یعنی قصر کیا)۔ پھر ابوبکرؓ نے بھی دو ہی پڑھیں۔ عمر فاروقؓ کے وقت بھی یہی ہوتا رہا۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے کچھ سخت الفاظ بھی استعمال فرمائے۔ خیر جو کچھ کہا ہو ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ انجام کیا ہوتا ہے، اور خود کیا کرتے ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد گئے اور اٹھ کر آپ نے بھی چار ہی رکعتیں ادا کیں (یعنی قصر نہ کیا) لوگوں کو آپ کی اس شورا شوری اور پھر اس نچلے پن پر سخت تعجب ہوا۔ ایک شخص وہیں بیٹھا ہوا تھا اس نے فوراً پوچھا۔

"کہ یہ آپ نے کیا کیا جس فعل پر آپ ابھی ابھی امیر المومنین کی شان میں سخت درشت گفتار رہے تھے کس قدر عجیب ہے کہ کھڑے ہو کر پھر اسی فعل کے خود مرتکب ہو گئے"[1]

حضرت ابوذرؓ نے اس کے جواب میں وہ باتیں فرمائیں جو حق پرستوں کے لئے ایک روشن شمع ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد ایک سلطان ہونے والا ہے دیکھو! اس کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرنا، جس شخص نے اس کی ذلت کا ارادہ بھی کیا اس نے اسلام کے طوق کو گردن سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اس کی دعا کبھی مقبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس رخنہ کو جو اس نے اسلام کی دیوار میں پیدا کر دیا ہے بند نہ کرے اور وہ اس رخنہ کو کبھی بند نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر پھر اس سلطان کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف رجوع کرے گا تو پھر ان لوگوں میں وہ شمار

---

[1] طبری صفحہ ۱۲۰۳

کر لیا جائے گا۔ جو اس کی عزت پہلے سے کر رہے تھے۔[1]

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

امرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان لا یغلبونا علی ثلث ان نامر بالمعروف وننھی عن المنکر ونعلم الناس السنن[2]	مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ یہ لوگ (خلفاء) تین باتوں پر غالب نہ آنے پائیں امر بالمعروف (یعنی اچھی باتوں کی تعلیم دینے سے) اور نہی عن المنکر (بری باتوں سے لوگوں کو روکنے سے) اور یہ کہ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز و روش کی تعلیم دینے سے ہمیں نہ روکیں۔

اس واقعہ سے ذیل کے نتائج باسانی نکل آتے ہیں۔

(۱) حضرت ابوذرؓ نہ صرف دنیاوی معاملات میں حضرت عثمانؓ کی پیروی کو اپنے لئے واجب سمجھتے تھے بلکہ دینی حیثیت سے بھی حضرت عثمانؓ کی رضا کو امر واجب (کہ قصران کے نزدیک واجب ہے) ترجیح دیتے تھے۔

(۲) باوجودیکہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ جماعت میں شریک نہ تھے۔ لیکن محض اس خیال سے کہ جب خلیفہ نے چار رکعتیں پڑھیں تو اب ہم پر بھی اس فعل کا کرنا ضروری ہو گیا آپ نے تنہائی میں بھی اپنی نمازیں پوری کیں۔

(۳) آپ نہ صرف دنیاوی عزت بلکہ دینی و اخروی عزت کو حضرت عثمانؓ کی عزت کے ساتھ وابستہ خیال فرماتے تھے میں نہیں سمجھتا کہ اس واقعہ سے یہ نتائج کیوں نہیں نکل سکتے پس غور کر لینا چاہیئے کہ جب ایک مقدس و بزرگ صحابی بھی اپنی دینی عزت کا مدار حضرت عثمانؓ کی عزت پر سمجھتا ہے تو جو بزرگ نہ صحابی ہیں نہ تابعی ان کی نجات و اعزاز کی کیا صورت ہو گی جبکہ

---

[1] مسند امام احمد ۱۰۰۰ [2] مسند ۱۰۰۰ ۔

دماغی ہدایت میں عثمانؓ پر طعن و تشنیع کرنے کو اپنا شیوہ قرار دئے ہوئے ہیں۔

الغرض اس واقعہ کے پیش کرنے سے پہلے حضرت ابوذرؓ کی اطاعت کی ایک تصویر آ رہی تھی اور الحمد للہ کہ وہ پوری اور صاف اتری۔

یہ الگ بحث ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا کیوں کیا؟ فقہ میں اس واقعہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے میرا فرض چونکہ اس قسم کے مسائل کی تفصیل نہیں۔ اس لئے میں اس پر مفصل بحث نہیں کر سکتا۔ ہاں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک سفر میں قصر ضروری نہ ہو جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے کہ قصر رخصت شرعیہ ہے عزیمت اور اسقاط ایجابی سے محض رخصت خیال کرتے ہوں ہو سکتا ہے کہ دیہات کے گنوار موسم حج میں اس سال زیادہ آ گئے ہوں۔ ممکن تھا کہ اگر ظہر کی آپ دو ہی رکعت پڑھتے تو یہ لوگ گھر جا کر بھی دو پڑھنے لگتے اور سند میں حضرت عثمانؓ کے فعل کو بیان کر دیتے۔ اس مصلحت عام کا خیال فرما کر آپ نے اگر شریعت ہی کے ایک قانون سے نفع اٹھایا تو اس میں کیا حرج ہے[1]

سطحی نظروں میں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن جن دلوں میں اجتہادی بصیرتیں ہیں ان کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ بھی قصر کو واجب سمجھتے تھے اور منیٰ میں اس وقت چونکہ آپ نے سفر کے ارادہ کو متبدل بہ تعمیر کر دیا تھا جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ سفر میں اتمام بھی جائز ہے اس لئے میں نے پڑھی بلکہ آپ کی ہر گفتگو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے کو مسافرت سے نکال کر مقیم قرار دینا چاہتے تھے اور اسی کے وجوہ گیا

---

[1] حاشیہ میں لکھا بھی ہے کہ حضرت عثمان نے اس مصلحت کو بیان بھی کیا تھا۔ ۱۲

کرتے تھے۔

اس کے بعد پھر اس معاملہ میں کوئی جان باقی نہیں رہتی اور تمام جھگڑے صرف غلط فہمیوں پر مبنی معلوم ہوتے ہیں جو اس قسم کے مسئلوں میں عام بات ہے۔

وفات ۳۲ ہجری

ہجرت کا بتیسواں سال اپنی ہستی فنا کرتے ہوئے اپنے اخیر مہینے ذی الحجہ میں قدم رکھ چکا ہے عرب و عجم کی بے شمار روحیں عشق الٰہی میں سرشار و مست ہو ہو کر مکہ معظمہ کے وادیوں میں پھیل رہی ہیں۔ عراق کے مسافر ذات عرق کے راستے ربذہ کی پر فضا منزل سے گزر کر لبیک! اللهم لبیک لاشریک لک لبیک کی دلگداز آوازوں سے ان دبی چھپی چنگاریوں کو بھڑکا رہی ہیں۔ جنھوں نے ابوذر کے سینہ کو آتشدان بنا رکھا تھا۔

ربذہ کے سامنے سے جو حاجی متانہ لباس میں پابرہنہ گزرتا اگر اور کچھ نہیں کرتا تھا تو کم از کم ابوذرؓ کے دل کو ضرور روندتا تھا۔

خصوصًا اس سال کہ تمام ممالک محروسہ اسلامیہ میں یہ اعلان عام طور سے شائع ہو گیا تھا کہ اس سال بھی مدینہ کا روحانی و جسمانی سلطان اپنے حقیقی مالک قدوس کے آستانہ پر جبین نیاز جھکانے آئے گا یعنی عام طور پر یہ خبر ملک میں گرم تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حج میں بھی شریک ہوں گے۔

دور دور کے لوگ یک کرشمہ دو کار کے اصول کو پیش نظر رکھ کر مکہ اسنڈے چلے آتے تھے، کہ حقیقی و مجازی دونوں جمال و جلال کا نظارہ

ملہ طبری صلہ ج ۵۔ مطبوعہ مصر ۱۲

ایک ہی سفر میں ملتا ہے۔ مختلف ملکوں کے صوبہ داروں والیوں کے
نام بھی پروانے جاری کئے گئے تھے کہ اس سال تدائے واحد کی دربار میں
آکر بیت اللہ کے خادم عثمان سے مل جائیں۔

الغرض اس سال کی مختلف خصوصیتوں نے عشق کے بازار کو بہت
زیادہ گرم و تیز کر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ اسی حالت میں رہ نہ سکے درویش کی
آگ بھی جس قدر اشتعال انگیز ہو کر بھبھک رہی ہوگی اس کی کوئی انتہا نہیں
ہو سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخر بیماری دل نے کام تمام کیا۔ مدت سے آہستہ آہستہ
سلگنے والی آگ دل و جگر کے ہر ریشہ میں پیوست ہو گئی۔ جو جسم انسانی تھا
وہ از فرق تا بقدم انگارہ اور نقطہ دہکتا رہ ہو کر دہکنے لگا حتی کہ طاقت
رفتار نے ساتھ چھوڑا۔ قوتوں نے جواب دیا اور وہ جو کہ سامان سفر میں مصروف
تھا۔ بستر مرض پر یاس و ناکامی کی چند ٹھنڈی آہوں کے بعد اس طرح لیٹ
گیا کہ پھر کبھی نہ اٹھا۔

دنیا نے سمجھا کہ کوئی مادی بیماری ہے لیکن جنہوں نے آپ کے حالات
کا مطالعہ ابتدا سے کیا تھا وہ سمجھ گئے کہ جو تیر کالک کے کسی چبوترہ پر لگایا گیا
تھا وہ اب گہرا ہو کر بیماری کی صورت میں ظاہر ہوا ہے حتی کہ ضعف نے
آپ کو اس درجہ مجبور کیا کہ باوجود قرب کے سب سے آگے رہنے والا مسافر
آج سب سے پیچھے رہ گیا یا رکھ لیا گیا۔ آپ جس خیمہ میں بیمار ہو کر پڑ گئے تھے اسی کے
سامنے سے روزانہ حاجیوں کا قافلہ امنگوں اور ارمانوں کے ساتھ گزرتا۔ اور
آپ کے دل پر رہ رہ کر چوٹ پڑتی۔ آرزوؤں کا ولولہ اٹھتا اور تن زار کی
کمزوری گراتی ایک عجیب کشاکش تھی ہر بن مو سے گویا آواز آ رہی تھی۔

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں — طاقت بقدر لذت دیدار بھی نہیں

ضعف کا یہ حال کہ دو قدم چلنا بھی دوبھر تھا اور حسرتوں کی وہ سینہ زوریاں کہ جس طرح بھی ہوا ابراہیم کے سر پہ چمکنے والی بجلی یا فاران کی والی فار قلیطا کی روح کو مسرور کرنے والی تجلی ایک رقص دل وجان بن کر نذر کی گنبد جاتی،

لیکن جہاں صرف اپنی خواہشوں کی پابندی ہو وہاں ان باتوں کو کون پوچھتا ہے" آہ کہ جس پیرۂ جلال کے نصیب پر۔

ان اللہ غنی عن العالمین | اللہ تمام عالم سے مستغنی ہے۔

آتشیں حروف میں لکھا ہوا ہو وہاں "میں یہ چاہتا ہوں" کی آواز کون سنتا ہے ابوذر نے چاہا، لیکن جسے ابوذر چاہتا تھا اس نے نہ چاہا پھر کیا مجال تھی کہ ربذہ کا بیمار ایک قدم بھی آگے بڑھا سکتا تھا۔

آخر یہی ہوا کہ بیماری و نقاہت نے مجبور کیا۔ حضرت ابوذر بھی رضی اللہ عنہ اس پرشوکت حج میں شریک نہ ہو سکے۔ کیا کرتے تھک کر ربذہ کے خیمہ میں پڑ گئے۔

ربذہ کے باشندے ایک تو یوں ہی تھوڑے تھے اس پر کل سرکاری آدمی ان بیچاروں کو کیا علم تھا کہ اُفق غیب میں کیا مستور ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر وہاں کے کل آدمی مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

ربذہ بالکل خالی ہو گیا۔ زندہ نفوس میں وہاں صرف آپ کا ایک جسم بیمار اور آپ کے اہل وعیال رہ گئے اور بس۔ ادھر مناسک زیارت کے دن بھی قریب آ چکے تھے کہ مسافروں کی آمد ورفت کا سلسلہ بھی بند ہو گیا سڑک بھی سنسان پڑی ہوئی تھی۔[1]

---

[1] استیعاب ابن عبدالبر [illegible]

سبحان اللہ کسی کی زبان سے کچھ نکل گیا تھا فقط اس کو پورا کرنے کے لئے کیا کیا سامان ہو رہے ہیں۔ ابوذر دمشق سے بلائے جاتے ہیں مدینہ سے ربذہ بھیجے جاتے ہیں۔ حج کے بہانے سے ربذہ کو خالی کیا جاتا ہے۔ اور آخر کے وقت بھی وہ رکھا جاتا ہے کہ راہ کا راہی اور سڑک کا کوئی مسافر بھی میسر نہ آسکے۔ ع

"ایں ہمہ غوغا برائے نیم جانے می شود"

کہ فعال لما یرید کی قوتوں کو مانو اللہ اس کے آگے سر بسجود ہو جاؤ۔

خیر جب سارا سامان تیار ہو گیا دیکھ لیا گیا کہ شرائط جو زبان سے ادا ہوئے تھے، ٹھیک ٹھیک پورے ہو چکے ہیں کہ یکایک اسی ہُو کے میدان میں جہاں چند جانوروں کے علاوہ دور دور تک شاید کوئی چرانے والا بھی موجود نہ تھا۔ ربذہ کی صوفی خیمہ والی کالی تیمار دار عورت (یعنی حضرت ابوذر کی حرم محترمہ نے) ایک چیخ ماری، خدا جانے انھوں نے کیا دیکھا اور کس کو دیکھا۔ مگر فوراً ہچکیوں میں ملی ہوئی نرم آواز میں حضرت ابوذر کے بستر سے آواز آئی "تم کو کس نے رلایا۔"

بیوی صاحبہ۔ تمہارا وقت قریب آگیا ہے اور میں عورت ہوں، اتنی قوت نہیں کہ اس پتھریلی زمین میں تمہارے لئے ۔ ۔ ۔ کھود سکوں گی اور آہ کہ گھر میں ایک دھجی بھی نہیں جس میں تمہیں لپیٹ کر ۔ ۔ ۔ ۔ کر سکوں گی۔

حضرت ابوذرؓ یہ سن کر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ان سامانوں کا جو اصلی منشاء تھا اس کو ان الفاظ میں ظاہر فرمانے لگے۔

"مت رو، اس لئے کہ میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، اس وقت آپ نے فرمایا کہ کل تم

لوگوں میں سے ایک شخص ایک چٹیل سنسان وادی میں جان دے گا
جس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شریک ہوگا۔ اور میں اس
وقت سے اندازہ کر رہا ہوں کہ وہاں پر جتنے لوگ تھے ان میں سب کے سب
کسی شہر یا آبادی میں وفات پا چکے ہیں۔ اب صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں جو
اس وقت اس وادی بیکسی میں دم توڑ رہا ہوں۔ بس جاؤ راستے پر
جا کر بیٹھو۔ مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور آ رہی ہوگی۔ کیونکہ خدا کی قسم
نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔

بیوی صاحبہ۔ خدا جانے اب لوگ کہاں سے آئیں گے حاجیوں کی آمد و رفت
کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ راستہ بالکل سنسان پڑا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تم جاؤ تو سہی جا کر دیکھو بھی تو۔

سمجھنے والوں کو اب جا کر معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس سے پہلے جو کچھ ہوا تھا ع

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کے لئے ہو رہا تھا۔ غفار کا بہادر جوان صیدگاہ عشق میں کودا تھا۔ اس پر جو تیر
چلایا گیا تھا آج جا کر نشانہ پر بیٹھتا ہے۔

روتی دھوتی۔ یاس و ناکامی کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ اٹھیں اور
سڑک کے کنارے آکر بیٹھ گئیں۔ مایوسانہ نگاہیں افق تک پھیل کر کسی چیز کو
انتہائی بے کسی کے ساتھ ڈھونڈھ رہی تھیں۔ اور پھر ناکامیوں کے ہجوم میں واپس
آجاتیں۔ یہ سلسلہ آمد و رفت کا اسی طرح قائم تھا کہ یکایک بیدا کے چہرے سے
نقاب اٹھا گیا اور اس کی خبر گرد و غبار کی صورت میں ایک جانب سے آگئی
بیوی صاحبہ کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا لکھنے کی ضرورت نہیں سوچنے کی
ضرورت ہے۔

پردہ چاک ہوتا ہے۔ اور اندر سے گردنیں اٹھائے اونٹوں کی ایک قطار انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ اس طرح اڑتے چلے آ رہے تھے کہ گویا بھاری پرندوں کی ٹولیاں زناٹے بھرتی ہوئی آ رہی ہیں۔ عربی عماموں والے شتر سوار گرد و غبار میں ڈوبے ہوئے اس پر سوار تھے آناً فاناً وہ لوگ بیوی صاحبہ کے سر پر پہنچ گئے۔ ان لوگوں کی یکایک نگاہ آپ پر پڑی۔ اس عالم تنہائی میں ایک عورت کا اس طرح سے کھڑا رہنا حیرت میں ڈال دینے کے لئے کافی تھا۔ نکیلیں ڈھیلی کر دی گئیں اونٹ روک دئے گئے۔ جو آگے تھا اس نے آپ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

”بیوی صاحبہ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں آپ پر کیا حادثہ گزرا؟

بیوی صاحبہ ”مسلمانو! ایک آدمی بیچارہ مر رہا ہے خدا کے لئے اس کے دفن کا سامان کرو“

اس کے بعد جو جملہ آپ کی زبان سے نکلا، دل کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے کلیجہ پاش پاش ہوا جاتا ہے سب بے نیازیوں کی بے نیازی کا مرقع کچھ اس طرح آنکھوں کے سامنے عریاں ہوتا ہے کہ دل بیٹھا جاتا ہے ”شہر اکبر“ ابوذر راتوں کو پیشانی گھس گھس کر صبح کر دینے والا ابوذرؓ آہ کہ وہی ابوذرؓ جس نے عشق و سرمستی میں اپنی عمر کاٹ دی۔ توحید و سنت کی اشاعت میں دربدر پھرنے والا ابوذرؓ محض آسمانی محبوب کی رضا جوئی میں دولت و امارت سے کنارہ کش ہونے والا ابوذرؓ صرف اسی کی پوجا کے لئے آبادیوں کو چھوڑ کر جنگل کے پکھیرو کی طرح زندگی گزارنے والا ابوذرؓ آہ کہ وہی ابوذرؓ! آج ایک جنگل میں جان دے رہا ہے اور اس طرح دے رہا ہے کہ ان کی بیوی ”شہر اشعر“

مسافروں کے سامنے اس لئے کھڑی ہیں کہ ان کے کفن کے لئے بھیک مانگیں۔ غنی مطلق کی استغنائے مطلق کی یہ کار فرمائیاں ہیں۔ اس روحانی بادشاہ کی بیوی کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں اور مقربوں، صدیقوں کا زہرہ آب ہوا جاتا ہے۔

"اس بیچارے مسلمان کے پاس کفن نہیں ہے خدارا ان کے کفن کا بھی سامان کرو۔ خدا کے یہاں اجر پاؤ گے۔"

شتر سوار نے پوچھا کہ وہ کون آدمی ہے۔ آواز آئی

"ابوذر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

یہ سن کر ہوش اڑ گئے۔ حواس خبط ہو گئے۔ کہرام مچ گیا۔ سننے والوں نے شور برپا کر دیا غل مچا کر:

"آہ! ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں، وہ! ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں"

اونٹوں کی پیٹھیں خالی ہو گئیں کوڑے ان کی گردنوں میں لٹکا کر چیختے ہوئے گریاں و نالاں افتاں و خیزاں مریض کے خیمہ کی طرف دوڑ پڑے[1]

حضرت ابوذرؓ نے بیوی صاحبہ کو ادھر بھیج کر اپنی بچی کو پکارا اور فرمایا۔

"بیٹی ایک بکری ذبح کر لو اور فوراً اس کے گوشت کو آگ پر چڑھا دو۔ گھر میں مہمان آئے ہیں جب وہ مجھے دفن کر لیں تو تم ان سے کہنا کہ ابوذر نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک نہ کھا لیں اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں"[2]

---

[1] یہاں تک واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔ مسند احمد وغیرہ میں بھی موجود ہیں ۱۲

[2] تاریخ طبری ۵۵ ھ۔ [illegible] مطبوعہ مصر ۱۲

اس کے بعد فرمایا کہ مہمانوں کی ایک اور جماعت آنے والی ہے جو کھاتی
پیتی نہیں لیکن خوشبو سونگھتی ہے ایک نافہ مشک کا پڑا ہوا ہے اسی کو گھس کر
پانی میں ملا دو۔ اور تمام خیمہ پر اُسے چھڑک دو۔ عنقریب وہ آنے والے ہیں[1]
روح جسم کو چھوڑ رہی ہے سکرات کی حالتیں طاری ہیں لیکن اس وقت بھی
جو خیال عملی صورت اختیار کر رہا ہے وہ وہی ہے جو میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ علم عمل
پر منطبق ہو جائے۔

خلیل ابوذر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا اکرام کیا کرو
پس گو جان نکل رہی ہے لیکن جو قول دماغ میں منجذب ہو گیا تھا اس پر عمل کرنا بھی
ضروری ہے۔

خیر یہاں تو یہ سامان ہو رہے ہیں اتنے میں آندھی اور بگولے کی فضا میں شتر
سواروں کی جماعت خیمے کے اندر آگئی۔ مسلمانوں کی اس جماعت کو دیکھ کر جاں
بلب ابوذر کے بدن نے گویا ایک جھرجھری سی لی۔ یکایک حجۃ الوداع کی
آخری وصیت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

الا فلیبلغ الشاہد الغائب | دیکھو جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر لوگوں کو یہ باتیں پہنچا دے

موت کی تمام سختیوں پر غالب آگئی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر فرمانے لگے۔

"تمہیں خوشخبری ہو تم لوگوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک
مژدہ سنا گئے ہیں (یعنی فرمایا تھا) کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے
کفن و دفن میں شریک ہوگی"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصدیق کہ فلاں شخص مسلمان ہے یا فلاں
جماعت مسلمانوں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ جان بخش گرانمایہ مژدہ

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱

اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا۔

"ایک اور مژدہ سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
جن دو مسلمانوں کے درمیان دو بچے مر گئے ہوں یا تین بچے مر گئے ہوں
اور ان کی موت پر انھوں نے صبر سے کام لیا ہو اور صبر پر ثواب کی
امید لگائی ہو تو یہ دونوں ہمیشہ کے لئے آگ کے شعلوں سے جدا ہو گئے۔"

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے جو یہ حدیث بیان کی عموماً اس پر برانگیختہ کرنے والا تبلیغ کا جذبۂ دیرینہ تھا۔ تاہم یہ بات البتہ قابل غور ہے کہ آپ نے خاص کر اسی روایت کو یہاں پر کیوں بیان کیا، میں اس کا قطعی جواب تو نہیں دے سکتا، پھر بھی قرائن و قیاسات کا مقتضی ہے کہ آپ کو یہ بھی جتانا منظور تھا کہ دیکھو ابو ذرؓ! اس دنیا سے جاتا ہے مگر اپنے اعمال و افعال پر بھروسہ کر کے نہیں جاتا۔ اپنی صدقات و خیرات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد نہیں کرتا۔ ان چیزوں میں سے اس کو کسی پر غرہ نہیں، کسی پر بھروسہ نہیں۔
ہاں صرف ایک آس ہے کہ اس کے چند بچے مر چکے ہیں، ارحم الراحمین شاید اسی کو بخشش و مغفرت کا ذریعہ بنا دیں، فقط ایک یہی چیز ہے کہ جو ممکن ہے کہ رحمت ایزدی کو اس کی طرف متوجہ کر سکے اور اسی وقت پر کیا موقوف ہے، بسا اوقات لوگوں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا۔

واللہ لوددت ان اللہ عز وجل خلقنی یوم خلقنی شجرة تعضد و یوکل ثمرها

خدا کی قسم میرے دل کی یہ آرزو ہے کہ کاش! حق تعالیٰ نے جس دن مجھے پیدا کیا تھا اسی دن اگر میں ایسا درخت پیدا ہوتا کہ جو کاٹ دیا جاتا ہے اور جب تک کٹتا نہیں، لوگ اس کے پھل کھاتے

اور یہ تو ایک صوفیانہ نکتہ ہے کہ موت سے پہلے جس قدر خشیت و خوف خدا اپنے دل پر

غالب کر سکتے ہو کرتے رہو۔ پر جب موت کی گھڑیاں سر پر آ جائیں اس وقت بیم و دہشت کو سینے سے باہر نکال کر صرف امید نجات و نوزِ رحمت و غفران سے دل کو لبریز کرو۔ شیخ المجاذیب اس وقت اسی شغل میں مصروف ہیں۔

اس کے بعد آپ کے دل سے ایک شورش انگیز روح فرسا، حوصلہ گسل آواز اٹھی اور بصد حسرت و یاس اٹھی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے کاش کہ میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے کہ میں اس میں سما کر اسے کفن بنا لیتا ...... تو پھر میں اس کے علاوہ اور کسی کفن کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

مگر ... (یعنی جو خدا کی مرضی ہی ہے کہ اپنے کفن میں لپیٹا نہ جاؤں اور آپ لوگ اپنا کفن دیں) اب آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جو شخص بھی کفن دے وہ نہ تو کسی صوبہ کا حاکم ہو اور نہ عریف[1] ہو اور نہ ڈاکیہ ہو"

اتفاق تو دیکھو کہ اس جماعت میں جتنے آدمی تھے۔ قریب قریب ایک ایک ان عہدوں میں سے کسی ایک پر ممتاز تھا۔ صرف ایک انصاری جوان البتہ ایسا تھا جس میں یہ باتیں نہیں تھیں۔ وہی بول اٹھا کہ مجھ میں آپ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور میرے تھیلے میں دو چادریں بھی نئی رکھی ہوئی ہیں جن کے سوت میری ماں کے ہاتھ کے کاتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان چادروں کو میری ماں نے بنا ہے۔ اور ایک چادر یہ ہے جو میرے بدن پر پڑی ہوئی ہے۔ ملا کر تین کپڑے ہو جاتے ہیں جو کفن کے لئے کافی و وافی ہیں۔

---

[1] عریف ایک جماعت کے اس نمائندے کو کہتے ہیں جو حکومت کے سامنے جماعت کا ذمہ دار ہو۔

حضرت ابوذرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

"ہاں تو تم میرے حسب منشا ہو۔ بس انہیں کپڑوں میں مجھے کفنانا۔"

اس گفتگو کے بعد اور کیا کیا باتیں ہوئیں؟ مورخین ان سے ساکت ہیں۔ یہ بات طبقات ہی میں ایک اور روایت موجود ہے۔ جو بظاہر بلکہ یقیناً اس روایت کے مخالف ہے، حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کے تضاد پر تنبیہ بھی کی ہے، اور بغیر کسی جواب کے آگے نکل گئے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک راویوں سے اس میں چوک ہوئی ہے اقرب الی الصحت اس کی ترتیب یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ۔

"مجھے نہلا دھلا کر کفن پہنا کر سڑک پر جا کر ڈال دینا" اور دیکھتے رہنا سب سے پہلے سواروں کی جو جماعت گزرے اُن کو ٹھیرا کر کہنا کہ یہ ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تم لوگ ان کے دفن میں میری مدد کرو۔"

۸ ذی الحجہ سنہ ۳۲ ہجری

"انا للہ وانا الیہ راجعون" خدا کی ہر چیز خدا ہی کی طرف جانے والی ہے آخر وہ وقت عظیم آ گیا، آسمانوں سے فرشتے اترے اور اس خستہ و نزار سوختہ و بریاں جان کو جس نے خدا جانے اس عنصری دور میں نشیب و فراز عالم کے کتنے حوادث دیکھے اور خود اس قفس خاکی میں بند ہو کر کیا کیا کیا تھا۔

اسی کو لینے کے لئے دنیاوی قفسوں سے نجات دینے کے لئے قدوسیوں کی جھرمٹ میں موت کا فرشتہ شکستہ حقیر خیمہ میں اپنے میزبان کے پاس پہنچ گیا۔

حجابات اُٹھنے لگے۔ اَن دیکھی چیزیں آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی نظر آنے لگی۔ ابو ذرؓ نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں دنیا والوں کو اس آخری لفظ سے مخاطب فرمایا" قبلہ کی طرف میرا رُخ کر دو۔"

اس آخری حکم کی آخری تعمیل کر دی گئی۔ اس کے بعد خلوص و سچائی کے اندر ڈوبے ہوئے الفاظ فضائے خیمہ میں اس طرح گونجے:" بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" انہیں آخری آوازوں کے ساتھ خاک آب و آتش و باد کے گھر سے ایک تابان روشنی اور مقدس تعلق سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ سراج منیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے دمکنے والا ماہتاب ٹھیک آٹھ ذی الحجہ کو ربذہ کے جوار اُفق میں غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نفس مطمئنہ" فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی کی صدا سے روح پرور پر زمین سے اُکھڑی اور جہاں بلائی گئی پہنچ گئی۔ جس نے اپنے کو خدا کے لئے بنا رکھا تھا وہ نہایت امانت کے ساتھ پیمانِ وفا کو پورا کرتے ہوئے جلال و جمال کی مستور کششوں میں غرق ہو کر جس کے لئے تھا اُسی کے پاس چلا گیا۔

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحدٍ ولکنہ بنیان قوم تھدما

مجذوبوں کا سردار رئیس الطائفہ فقیری کی ایک جدید یادگار چھوڑ کر دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

جنازہ

آنکھیں بند کی گئیں، انگوٹھے باندھے گئے، غسل دینے والوں نے نہلایا، انصاری نوجوان نے کپڑے نکال کر دئے، اور اس جسم کو جس

ملہ کامل ابن اثیر صلہ ج ۳۔

اسلام کے بعد خدا کی مرضی میں اپنی خواہشوں کو جذب کر دیا تھا ایک غیر کے کپڑے میں کفنایا گیا جب وصیت آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور عام گزرگاہ پر لا کر رکھ دیا گیا۔

ادھر کو فہ سے استاذ المسلمین معلم الامۃ فقیہ الاسلام حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے مع ایک جماعت کے مکہ مکرمہ کے ارادے سے تشریف لا رہے تھے۔

آپ کو اس المناک سانحہ کا علم تھا یا نہیں مجھے کیا معلوم تاہم ظاہر حال یہ تھا کہ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اپنے اونٹ کو بھگاتے ہوئے لا رہے تھے۔ قریب تھا کہ جس کا جنازہ بیکسی کے ساتھ راستہ پر پڑا ہوا تھا وہ سواری کے نیچے آ جائے۔ لیکن یکایک آپ ٹھٹھک گئے۔

جنازہ کو اس طرح پڑا ہوا دیکھ کر اپنے اونٹ کو روک لیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی ٹھیرا لیا۔ لوگ سڑک کے نیچے آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے ان لوگوں کو دیکھ کر سامنے آ گئے۔ اور کہا۔

"ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے دفن میں ہم لوگوں کی مدد کیجئے"

ایک زبردست دھکا تھا جس نے اچانک ابن مسعودؓ کی روح میں زلزلہ ڈال دیا۔ ابن عبد البر کی روایت ہے کہ سنتے ہی آپ نے ایک چیخ ماری۔ اور بے تحاشا اپنے اونٹ سے اتر پڑے۔ روتے جاتے تھے اور حالت وارفتگی میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے "میرے دوستا میرے بھائی" اخیر میں فرماتے۔

"مبارک ہو تم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر

اکیلا ہی چلتا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھے گا۔"

حتیٰ کہ کم از کم مرنے والا اگر اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتا تو اپنے گھر کا کفن یقیناً لے جاتا ہے۔ لیکن ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا یہ عالم ہے کہ کفن بھی اس کے ساتھ اپنا نہ تھا۔ لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے نماز کی درخواست کی جنازہ آگے رکھا گیا۔ اس وقت کا نظارہ کتنا عظیم الشان اور دل ہلا دینے والا نظارہ ہوگا۔ سامنے اس کا جنازہ رکھا ہوا ہے جو اپنے محبوب سے اسی طرح ملنے جا رہا ہے۔ جس طرح اسے چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے تھے۔

جنازہ کا امام وہ شخص ہے جس کی مرضی دنیا کے سب سے بڑے آدمی کی مرضی قرار دی گئی۔ اور جن کے عہد و علوم پر اعتماد کرنے کی وصیت خدا کے آخری پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو فرمائی۔[1]

اور صفوں میں بشریٰ کی وہ جماعت ہے جن کے اسلام کی تصدیق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی۔ اور جن کا بیشتر حصہ ان لوگوں پر شامل تھا جن کے ملک سے عرب کے نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی خوشبو آئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ پہلا گروہ کل یمانیوں پر مشتمل تھا۔ ابن اثیر نے دونوں گروہ کے آدمیوں کے ناموں کی تفصیل بھی لکھی ہے میں بھی ان کی تفصیل اسی سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ اسود بن یزیدؒ۔ علقمہ بن قیس نخعیؒ۔ مالک بن الاشتر نخعیؒ

---

[1] بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ مناقب مذکور ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب "تدوین فقہ" ۱۲

[2] حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

علاقؓ ضبی۔ حارثؓ بن سوید تیمی۔ عمروؓ بن عتبہ السلمی۔ ابنؓ ربیعہ جیلی ابوالغریفؓ تیمی ابو رافعؓ مزنی۔ سویدؓ بن شعبہ تیمی۔ یزیدؓ بن معاویہ تیمی۔ وائلؓ القرثع الضبی۔ اخو معضدؓ شیبانی۔

الغرض میدان میں بصد بیکسی جو دم توڑ رہا تھا محض اس کی خاطر کہ کوفہ کی زمین ہلائی جاتی ہے اور فقیہ الاسلام معلم الامت کو زبردستی کھینچ کر جنازہ پر لا کر کھڑا کیا جاتا ہے تاکہ جاننے والے جانیں کہ جو خدا کے لئے مرتا ہے خدا اس کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا۔

مجھے بار بار حیرت ہوتی ہے کہ حج کا موسم جب ختم ہو رہا ہے ایام حج بھی گزر رہے ہیں ایسے وقت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مکہ آ جانا ایک محض بے موقع سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان کو اگر آنا تھا تو تھوڑا اور چند دنوں کے لئے انھوں نے حج کو کیوں چھوڑا۔ میں اس معمہ کو کبھی نہیں سمجھ سکا۔ پھر اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ دیکھتے رہنا کوئی آتا ہوگا، عجیب اسرار ہیں جو علت و معلول کے سلسلہ میں کسی طرح درج نہیں ہوتے۔۔ ورنہ کہ میری زبان پر یہ مصرعہ جاری ہو جاتا ہے کہ

اے زائر حرم غرض زیں طوف خانہ چیست

نماز کے بعد جنازہ اٹھا، کن کاندھوں پر اٹھا، اور کس کا اٹھا جس پر ہیبت

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) عام طور پر لوگوں کی تمنا ہوتی ہے کہ سرے سے جنازے کی نماز کوئی عالم پڑھاتا، لیکن قدرت نے حضرت ابوذر کے لئے اسی آرزو کو عجیب طریقے سے پوری کی کہ اسلامی دینیات کی سب سے زیادہ معتبر ترین شکل یعنی "حنفیت" جس صحابی اور تابعیوں کے ذریعے امت تک پہنچی ہے اسی فقہ کے تینوں امام یعنی عبداللہ بن مسعود علقمہ اور اسود سب اس میں شریک ہیں۔ ان بزرگوں کا صحیح مقام اگر جاننا چاہتے ہوں تو میری کتاب تدوین فقہ میں دیکھئے۔

دیکھے اور رشک وغبطہ کی موجیں دلوں سے اچھل اچھل کر نجات کی راہیں ڈھونڈھنے والوں کو تڑپا ئیں۔

سب سے پہلی منزل کے راہ پر فقار کے سب سے بڑے انسان کو لا یا گیا قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ اور لوگوں کے ساتھ قبر میں اترے۔ آخر کار اس سرچشمۂ صدق و امانت کو جس سے زیادہ سچی زبان آج انسان پر آسمان نے کبھی سایہ نہیں ڈالا تھا۔ اور نہ جس سے زیادہ صدق و راست باز لہجہ کو زمین نے اپنی پشت پر کبھی اٹھایا تھا۔ ربذہ کی ایک گنج عافیت اور تکلم زمین میں ہمیشہ کے لئے مستور و مخفی کر دیا گیا اور وہیں آج تک موجود و مودع ہے عام زیارت گاہ ہے۔ پس جو تنہا ہی جیتا تھا۔ تنہا ہی رہتا تھا۔ وہ تنہا ہی عرصہ بلا و آزمائش سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا، اور ربذہ کے صحرا میں تنہا ہی سو یا ہوا ہے تا اینکہ جب اٹھنے کا دن آئے تو وہ اس وقت بھی تنہا ہی اٹھے!

حقیقی جذب و سرمستی کا چراغ گو اس کے بعد گل ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی جہاں کہیں اس کی کچھ روشنی پائی گئی یا اس وقت بھی پائی جاتی ہے وہ اسی کے فیض ریز شعاعوں کا نتیجہ ہے اور آئندہ عیسوی زہد و ورع کا ہادی محمدی علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ کے ساتھ جہاں کہیں بھی جمع ہوئے وہ اسی اجتماع کا اثر جاری ہے فرضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الذین اتبعوہ باحسان۔

حضرت ابن مسعود کی روانگی اور آپ کے اہل و عیال کا انتظام

الغرض قضا و قدر نے جو کچھ چاہا وہ ہوا دفن کرنے کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے رفقا کے ساتھ باچشم تر آپ کے

خیمہ میں آگئے۔

بیوی صاحبہ اور آپ کی یتیم صاحبزادی صاحبہ وہاں موجود تھیں آپ نے تسلی و تشفی کے کلمات ان کو کہے خود بھی سنبھلے ان کو بھی سنبھالا جب گونہ سکون پیدا ہو گیا تو چلنے کے ارادے سے اٹھے۔

حضرت ابوذر کی صاحبزادی صاحبہ نے پوچھا کہ کہاں تشریف لے چلے ابا نے وصیت کی ہے اور خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کچھ کھا نہ لیں سوار نہ ہوں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بکری ذبح کرا کے پکانے کا حکم دے دیا تھا۔ جو پک کر رکھی ہوئی ہے۔

یہ فرما کر کھانا پیش کر دیا کھایا تو کیا جاتا۔ لیکن مرنے والے کے اس خلوص کو دیکھ کر عبد اللہ بن مسعود دنگ ہو گئے اور ہونا چاہئے تھا کہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اس وقت بھی عمل کیا جب دنیا میں وہ اپنی آخری سانس پوری کر رہے تھے تاکہ یہ دعویٰ کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ملوں گا جس طرح آپ نے مجھ کو چھوڑا ہے" عملی طور پر مدلل ہو جائے۔

الغرض جو کچھ کھایا جا سکا کھانے والوں نے کھا لیا۔ اس کے بعد عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کیا۔ طبری نے اس کے متعلق دو روایتیں درج کی ہیں ایک میں یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ کے تمام اہل و عیال کو ساتھ لے لیا اور مکہ معظمہ میں جا کر حضرت عثمانؓ کے حوالے کر دیا۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ انہیں ان لوگوں کو تسلی دلاسا دے کر آپ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس جانگداز حادثہ کی خبر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت صدمہ ہوا

اور بجائے اصلی راستہ کے آپ مدینہ ربذہ کی طرف سے رخ کر کے راستہ میں ربذہ میں اترے اور تعزیت وغیرہ کرکے سب کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ گئے۔

الغرض خواہ یہ ہو یا وہ ہو۔ اس پر دونوں روایتیں متفق ہیں کہ

ضمہ عثمان الی اہلہ | حضرت عثمانؓ حضرت ابوذرؓ کے بال بچوں کو اپنے بال بچوں کے ساتھ ملا لیا فجزاہ اللہ عنی وعن المسلمین خیر الجزاء | پھر دنیا نے ختم نبوت کے فیض صحبت کے آثار کو سرشاری و ہشیاری، بے کاری و باکاری، خواب و بیداری، نیستی و ہستی کی اس عجیب و غریب ترکیبی وجود کو کبھی نہیں دیکھا۔ ؟ حیدر کرار (کرم اللہ وجہہ) امام فن نحو حضرت ابوالاسود دؤلی نے سچ فرمایا تھا۔

رأیت اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما رأیت لابی ذر شبیھا | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو میں نے دیکھا لیکن ابوذر جیسا تو کسی کو نہ دیکھا۔

(مسند احمد ص...)

تمت

ہماری ہر دلعزیز مطبوعات

مقام اقبال - سید اشفاق حسین — تین روپیہ چودہ آنہ

روح اقبال — ڈاکٹر یوسف حسین خان — پانچ روپیہ بارہ آنہ

آثار اقبال - غلام دستگیر رشید — تین روپیہ بارہ آنہ

تنقیدی جائزے - سید احتشام حسین - تین روپیہ بارہ آنہ

تنقیدی حاشیے - مجنوں گورکھپوری — تین روپیہ بارہ آنہ

ترقی پسند ادب - عزیز احمد - دو روپیہ چودہ آنہ

ادب اور انقلاب - ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری تین روپیہ آٹھ آنہ

داستان اردو - نواب نصیر حسین خیال - ایک روپیہ بارہ آنہ

افادات محمد علی - رئیس احمد جعفری - تین روپیہ بارہ آنہ

نگارشات محمد علی „ „ „ تین روپیہ بارہ آنہ

مقالات محمد علی اول „ „ „ تین روپیہ بارہ آنہ

مقالات محمد علی دوم „ „ „ تین روپیہ بارہ آنہ

طنزیات و مطائبات „ „ „ دو روپے آٹھ آنہ

مکالمات ابوالکلام - عقیل احمد جعفری تین روپیہ بارہ آنہ

فیصلہ ہندوستان - عبدالقدوس ہاشمی - پانچ روپیہ

معاشیات پاکستان „ „ „ ایک روپیہ آٹھ آنہ

تقاریر جناح - عثمان صمرانی - تین روپیہ چار آنہ

سیاسی نظریئے - اکرام قمر - ایک روپیہ آٹھ آنہ

مقام جمال الدین افغانی - مبارز الدین - تین روپیہ چار آنہ

یقین و عمل ۔ عبدالقدوس ہاشمی ۔ دو روپیہ آٹھ آنہ
زندگی کی ٹھوکریں ۔ رئیس احمد جعفری ۔ تین روپیہ چار آنہ
قائدین کے خطوط جناح کے نام ۔ سعید ۔ دو روپیہ
تانیثیت ۔ شاہد حسین رزاقی ۔ دو روپیہ بارہ آنہ
ان پڑھ ہندوستان ۔ فخر الحسن ۔ تین روپیہ چار آنہ
اسلامی تہذیب کیا ہے ۔ غلام دستگیر ۔ دو روپیہ آٹھ آنہ
قصص و مسائل ۔ مولانا عبدالماجد دریابادی ۔ ایک روپیہ بارہ آنہ
ابو ذر غفاریؓ ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ۔ دو روپیہ بارہ آنہ
کاروان علم ۔ فیض محمد بادشاہ حسین ۔ تین روپیہ
گھر اور زندگی ۔ بلقیس بیگم ۔ تین روپیہ
بچوں کی نفسیات ۔ شیر محمد اختر ۔ ایک روپیہ بارہ آنہ
نفسیات زندگی ۔ " " ایک روپیہ بارہ آنہ
شخصیت و کردار ۔ " " دو روپیہ چار آنہ
کیا اور کیوں ؟ افضل حسین فاروقی ۔ بارہ آنہ
نثر ریاض ۔ ریاض خیرآبادی ۔ دو روپیہ بارہ آنہ
میخانۂ ریاض ۔ تسنیم مینائی ۔ تین روپے چار آنہ
نغمات ماہر ۔ ماہر القادری ۔ تین روپے
محسوسات ماہر ۔ ماہر القادری ۔ دو روپیہ بارہ آنہ
اسرار ۔ علی اختر ۔ دو روپیہ بارہ آنہ
کلیات حسرت ۔ حسرت موہانی ۔ تین روپے
تاج سخن ۔ فصاحت جنگ جلیل تین روپیہ
شرح دیوان غالب ۔ حسرت موہانی ۔ ایک روپیہ

ریاض رضوان - ریاض خیرآبادی آٹھ روپیہ

انجیل - قیسی رام پوری دو روپیہ آٹھ آنہ

دھوپ - " " تین روپیہ چار آنہ

سراب - مجنوں گورکھپوری تین روپیہ چار آنہ

صید زبوں " " دو روپیہ

وسوسے - فضل حق قریشی دو روپیہ بارہ آنہ

آجکل کے افسانے - فضل حق قریشی - دو روپیہ چودہ آنے

ولولے - قدوس صہبائی - دو روپیہ بارہ آنہ

جلوۂ رنگین - ڈاکٹر محمد نصیر الدین - تین روپیہ

گرداب - احمد ندیم قاسمی - تین روپیہ چار آنہ

لہریں - شفیق الرحمٰن دو روپے چودہ آنہ

زلزلے - قدوس صہبائی - دو روپے بارہ آنہ

نگینے - مظفر حسین شمیم دو روپے بارہ آنہ

تعبیریں - محمد امین سشر چودھری دو روپیہ چودہ آنہ

مسکراہٹیں - کوثر چاندپوری - دو روپیہ بارہ آنہ

رنگین سپنے " " دو روپیہ بارہ آنہ

کروٹیں - قدوس صہبائی - دو روپیہ بارہ آنہ

افسانے ڈرامے - سعادت حسن منٹو دو روپے بارہ آنہ

انگڑائیاں - احمد ندیم قاسمی - تین روپیہ چار آنہ

سیلاب " " تین روپیہ آٹھ آنہ

اقبال کا تصور زمان - ڈاکٹر رضی الدین بارہ آنہ

سیاست جاپان - علی امام بلگرامی - دس آنہ

زندگی کے نئے زاویئے - رئیس احمد جعفری - تین روپیہ

جمہوریہ چین - میر عابد علی - ایک روپیہ بارہ آنہ

ٹیگور اور ان کی شاعری - مخدوم محی الدین - ایک روپیہ آٹھ آنہ

تقدیریں - منظور نجہاری - ایک روپیہ

پریم پجارن - قدوس صہبائی - پندرہ آنہ

تمدن عرب - سید علی بلگرامی - پینتیس روپے -

حج زینب - حسن بن نصیر - تین روپے

چینوں کے خطوط - عطاء الرحمن - دو روپیہ آٹھ آنہ

کاشانۂ نادر " ایک روپیہ بارہ آنہ

خواتین دکن کی اردو خدمات - نصیر الدین ہاشمی - دو روپیہ

ضیغم - سعیدہ مظہر ایک روپیہ آٹھ آنہ

غبار - تسکین رامپوری - دو روپیہ چار آنہ

دل کی آگ - ظفر واسطی - ایک روپیہ بارہ آنہ

لال کوٹھی - تبسم نظامی - تین روپیہ چار آنہ

چاند بی بی سلطانہ - وزیر حسن - تین روپیہ بارہ آنہ

کامیاب افسانے - وزارت انصاری - ایک روپیہ آٹھ آنہ

زرد چہرے - ابراہیم جلیس - دو روپیہ چار آنہ

روسی ظرافت - ضیائی - دو روپیہ چار آنہ

نلی تتلیاں - بجلی جاپوری - تین روپیہ -

سیاسی لطائف - نواب بہادر یار جنگ بہادر - تین روپیہ -

یورپ کے تاثرات - بدر شکیب - دو روپیہ آٹھ آنہ

ناخواندہ مہمان - بادشاہ حسین - ایک روپیہ

مسٹر سپیسن " " ایک روپیہ

اردو کا سب سے بڑا شاعر - ایک روپیہ آٹھ آنہ

جنات کی دنیا - مقبول احمد سیوہاروی ایک روپیہ چار آنہ

گاندھی جناح مراسلت - ضیائی - دس آنہ

اقبال کے خطوط جناح کے نام - چھ آنہ

ابن خلدون - عبدالقادر - چھ آنہ

ہٹلر کا نیا نظام - امتیاز حسین - دس آنہ

خدا اور کائنات - ماہرالقادری - نو آنہ

ستاروں پر زندگی - محمد عبدالرحمٰن - نو آنہ

شادی و محبت - مقصود فرحت - بارہ آنہ

تذکرہ یورپین شعرائے اردو - محمد سردار علی - بارہ آنہ

بخارا کا جمہوری انقلاب - قدوس صہبائی نو آنہ

ترکستانی خاتون شاہراہ انقلاب پر - نو آنہ

مرد انقلاب - صہبائی - بارہ آنہ

گاڈری - عروج - چودہ آنہ

ستارے - نجم آفندی - دس آنہ

جنگل کانفرنس - حیرت بدایونی - دس آنہ

رسول پاک کی صاحبزادیاں - قدوسی - ساڑھے بارہ آنہ

کردار - ماہرالقادری - دو روپیہ چار آنہ